ماہنامہ
جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - November 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22...... شمارہ نمبر 11 ...... نومبر 2015..... قیمت 5روپے

انسانی حقوق کے کارکنوں کو زبردستی خاموش کرانے کی سازش

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1
تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2
ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقتدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3
ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4
کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5
کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6
ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7
قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8
ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9
کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10
ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11
(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12
کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13
(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14
(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15
(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16
(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17
(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18
ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتماعی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19
ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20
(1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21
(1) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22
معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23
(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24
ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25
(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بعد یا شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26
(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27
(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں

دفعہ - 28
ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29
(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30
اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

03 اکتوبر 2015، کراچی: ایچ آر سی پی کی کونسل باڈی کا اجلاس منعقد کیا گیا

17 اکتوبر 2015، اسلام آباد: ''تیزاب گردی کے خاتمے کے لیے لائحہ عمل'' کے عنوان سے مشاورتی تقریب کا اہتمام کیا گیا

01 اکتوبر 2015، حیدرآباد: ایچ آر سی پی نے ''بزرگ شہریوں کا عالمی دن'' منایا

10-09 اکتوبر، ملتان: 05-06 اکتوبر 2015 حیدرآباد

ایچ آر سی پی نے ''بلدیاتی انتخابات کے مشاہدہ کاروں کی تربیتی ورکشاپ'' کا اہتمام کیا گیا

09 اکتوبر 2015، کوئٹہ: انسانی حقوق کے کارکن ڈاکٹر فیض ہاشمی کی یاد میں تعزیتی تقریب منعقد کی گئی

05 اکتوبر 2015، حیدرآباد:

ایچ آر سی پی نے ''پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے اسباب'' کے موضوع پر ایک تقریب کا اہتمام کیا

03 اکتوبر، کراچی: ''اقلیتیں حملوں کی زد میں: پاکستان میں عقیدے کی بنیاد پر تشدد'' رپورٹ کا اجرا کیا گیا

11 اکتوبر 2015، کرم ایجنسی: ایچ آر سی پی کے ضلعی کور گروپ کا کنونشن منعقد کیا گیا

فہرست

ایچ آر سی پی کی جاری کردہ پریس ریلیزیں 5

دیہی خواتین کی صدائیں 9

سزائے موت کا عالمی دن 11

پاکستان میں سول......ملٹری تعلقات نوآبادیاتی نظام کی عکاسی کرتے ہیں 13

اقلیتیں 15

صحت 16

انتہاپسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس 17

اقتصادی صورتحال 16-2015ء 23

کاری، کارو کہہ کر مار ڈالا 34

جنسی تشدد کے واقعات 35

خودکشی کے واقعات 39

اقدام خودکشی 43

انتخابی بحث مباحثہ کے موضوعات 45

قانون نافذ کرنے والے ادارے 46

ملالہ سے ملاقات 49

تعلیم 51

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط 52

سزائے موت پر عملدرآمد سے پاکستان کہیں بدعہدی کا شکار نہ ہو جائے

10 اکتوبر کو سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ ایسے حفاظتی اقدامات کرے جس سے اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ ایسی سزاؤں کے از سرنو آغاز سے پاکستان ان ذمہ داریوں کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہو جس کا اس نے عہد کر رکھا ہے۔

اپنے ایک اخباری بیان میں کمیشن نے کہا: ''سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر ایچ آر سی پی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کا جائزہ لے جو گزشتہ سال دسمبر میں سزائے موت کی معطلی کے خاتمے کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے''۔

''سزائے موت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے چیلنجوں سے نمٹنے کے علاوہ ایسے مقدمات میں حفاظتی اقدامات متعارف کرائے جانے چاہئیں جن میں ملزم یا ملزمہ کی ذہنی کیفیت یا اس کی عمر مشکوک ہو''۔

''اگر چہ ایچ آر سی پی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ سزائے موت کے خاتمے کی جانب پہلا قدم اٹھاتے ہوئے سزائے موت کو معطل کیا جائے، تاہم اس کا یہ مطالبہ بھی ہے کہ ان نئے مسائل کے فوری حل کے لیے انفرادی مقدمات میں سول سوسائٹی کی جانب سے کی جانے والی اپیلوں کے جواب میں آخری وقت میں کارروائی کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ان مسائل کے حل کے لیے سوچ سمجھ کر ایک موثر پالیسی بنانے کی ضرورت ہے''۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔09 اکتوبر 2015]

کچھ نادیدہ قوتیں بنیادی انسانی حقوق کو ملیامیٹ کرنے پر تلی ہوئی ہیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے جمہوریت اور انسانی حقوق کو درپیش خطرات میں اضافے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس وقت سماج میں انسانی حقوق کو نظر انداز کرنے کے علاوہ سول۔فوجی عدم توازن میں اضافہ ہو رہا ہے جس کے باعث جمہوریت اور انسانی حقوق کو شدید خطرات کا سامنا ہے۔ یہ بات ایک بیان میں کہی گئی جو کمیشن کی ایگزیکٹو کونسل کے موسم خزاں کے اجلاس کے بعد جاری کیا گیا۔ بیان میں کہا گیا کہ کونسل کو ان چیلنجوں پر گہری تشویش ہے جن کے باعث جمہوریت ایک بار پھر خطرات میں گھر چکی ہے اور بنیادی انسانی حقوق کو کچھ عناصر ملیامیٹ کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ فوج اور سکیورٹی فورسز کی طرف سے جو تقاریر اور بیانات جاری کئے جا رہے ہیں وہ واضح طور پر اپنی حد سے تجاوز کرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ جمہوریت کے لیے ہی نہیں بلکہ پاکستان میں منتخب حکومت کے لئے بھی شدید خطرے کا باعث ہیں۔ بجائے اس کے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ ساتھ، سیاسی قیادت اور پارلیمان فوری طور پر ان مسائل پر توجہ دینی چاہئے جو عوام کو عرصہ دراز سے درپیش ہیں۔ مزید برآں گورننس پر اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کے ساتھ ساتھ شفافیت اور ان عوام کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے جن کے وہ منتخب نمائندے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے جان بوجھ کر کسی منصوبے کے تحت ملکی معاملات میں فوجی قیادت کی مداخلت کو اس حد تک موثر بنایا جا رہا ہے کہ آخرکار منتخب سول حکومت عموی طور پر عضو معطل بن کر رہ جائے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ اختلاف رائے کو برداشت نہ کرنے کا رجحان ایک انتہائی بری خبر ہے۔ آج آپ ایک یا دو لوگوں کی زبان تو بند کر سکتے ہیں لیکن آپ کوئی ایسا کام کیوں نہیں کرتے جو دوسروں کے لیے بھی ایک مثال ہو اور سب کی زبانیں بند ہو جائیں۔ اور پھر میڈیا اور صحافیوں کو بھی ایسے کئی چیلنجوں کا سامنا ہے جنھوں نے انہیں پہلے سے زیادہ غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف صحافیوں، وکلاء اور دیگر پیشہ ور افراد کو تشدد کی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ اس کی وجہ سے یا تو میڈیا نے خود پر ہی سنسر شپ عائد کر دی ہے یا ایک 'محتاط' یا 'نام نہاد خود احتسابی' حکمت عملی اپنالی ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں سول سوسائٹی کی تنظیموں کے لئے حالات ویسے تو کبھی بھی آسان نہیں رہے، لیکن کچھ عرصے سے انہیں بدنام کرنے اور ان کی کردارکشی کے لئے ایک باقاعدہ مہم چلائی جا رہی ہے۔ اگر چہ سول سوسائٹی ان تمام

اقدامات کا خیر مقدم کرتی ہے جن کا مقصد شفافیت ہے، تاہم انہیں اپنے کام میں بڑھتی ہوئی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ وہ لوگ جو پہلے ایسی مداخلتوں اور شکایات کا نوٹس لیا کرتے تھے اب انہوں نے دانستہ طور پر شکایات کو نظر انداز کر رکھا ہے۔ دراصل، سول سوسائٹی کی تنظیموں کے دفاتر کا دورہ کرنے والے سکیورٹی اور انٹیلی جنس افسران کا یہ کہنا ہے کہ وہ یہ ''تفتیش'' این جی اوز کے حوالے سے سپریم کورٹ کے جاری کردہ حکم پر کر رہے ہیں۔ انسانی حقوق کے محافظین جو پہلے ہی ایک خطرناک ماحول میں کام کرتے ہیں، اس کردار کشی کی وجہ سے ان کی زندگیوں کو اور زیادہ خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ اس پس منظر اور حقوق کے محافظین کو انتہا پسندوں اور جنگجو عناصر سے تحفظ فراہم کرنے میں ناکامی نے انہیں پہلے سے زیادہ غیر محفوظ بنا دیا ہے۔ علاوہ ازیں سول سوسائٹی کے کارکنوں کا تعاقب کر کے ریاست خود کو اہم معاملات کے بارے میں مختلف آراء تک رسائی سے محروم رکھ رہی ہے۔

سول سوسائٹی اور آئی ٹی کے ماہرین کو مجوزہ سائبر کرائم قانون پر کئی تحفظات ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریاست اصلاحات کے بارے میں معقول تجاویز پر غور کرنے کو تیار نہیں اور اس نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ اس غیر لچکدار رویے کے بنیادی آزادیوں پر شدید اثرات مرتب ہوں گے۔ ان تجاویز پر غور کرنا چاہئے اور اس قانون کو حفاظتی تدابیر کے ساتھ بہتر کرنا چاہئے۔ یہ امر بلا جواز ہے کہ ایسا خاص قانون حکام کی جانب سے غیر قانونی مخبری کا احاطہ نہیں کرتا اور اسے جرم قرار نہیں دیتا۔

یہ بات اب کافی حد تک واضح ہو چکی ہے کہ بدقسمتی سے تمام صوبے بلدیاتی نظام کے حوالے سے ہچکچاہٹ یا شک وشبہات کا شکار ہیں؛ کچھ اس کا اظہار بلدیاتی انتخابات کو ملتوی کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہوئے کرتے ہیں جبکہ دوسرے اس کا اظہار مقامی حکومتو ں کو با مقصد طریقے سے کام کرنے کی اجازت دینے سے انکار کرتے ہوئے کرتے ہیں۔ صوبائی حکومتوں کو یہ سمجھنا ہوگا کہ فعال مقامی حکومتیں نہ صرف ایک آئینی شرط ہے بلکہ یہ آئین کی اٹھارہویں ترمیم کے تحت اختیارات کی منتقلی کا تسلسل بھی ہے۔ مقامی سطح پر حکومت کے ذریعے لوگوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کر کے ہی جمہوریت کی ساکھ میں اضافہ اور نمائندہ حکومت پر رائے دہندگان کا اعتماد بحال کیا جا سکتا ہے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کراچی میں امن وامان کی صورتحال ستمبر 2013ء کی نسبت کافی بہتر ہے جب وہاں رینجرز نے آپریشن شروع کیا تھا۔ تاہم یہ بھی سچ ہے کہ اس عرصے کے دوران سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں مقابلوں میں متعدد ہلاکتوں اور حقوق کی خلاف ورزیوں کی شکایات بھی سامنے آتی رہی ہیں۔ جبری گمشدگیوں، دوران حراست ہلاکتوں، تشدد اور آپریشن کے غیر جانبدارانہ نہ ہونے کے الزامات ایک کڑی جانچ کا تقاضہ کرتے ہیں۔ اس شکایت کا لب لباب یہ ہے کہ رینجرز کی کاروائیوں پر نظر رکھنے کے لئے کوئی طریقہ کار موجود نہیں ہے۔ آپریشن میں سویلین کردار اور نگرانی کا کوئی وجود دکھائی نہیں دیتا۔ آپریشن سے حاصل ہونے والے مقاصد کی پائیداری، خاص طور پر آپریشن ختم ہونے کے بعد پولیس کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی اہلیت سے متعلق سوالات جوں کے توں برقرار ہیں۔

بلوچستان کے حوالے سے بیان میں کہا گیا ہے کہ بلوچستان کے بحران کے سیاسی حل کے حوالے سے پیچیدگیاں برقرار ہیں کیونکہ صوبے سے ملے جلے پیغامات سامنے آئے ہیں۔ بلوچستان کے عوام کو مذاکراتی عمل میں شامل کیا جانا چاہئے اور انہیں اس سطح کی جمہوریت سے محروم نہیں کیا جانا چاہئے جو دوسرے صوبوں میں رائج ہے۔ ہوسکتا ہے بلوچستان میں اغواء برائے تاوان میں کمی آئی ہو لیکن صوبائی دارالحکومت کے اندر اور باہر امن وامان سے متعلق دیگر کئی مسائل اب بھی موجود ہیں۔ گمشدگیوں کی اطلاعات اب بھی موصول ہوتی رہتی ہیں اور آواران جیسے علاقوں میں سکیورٹی فورسز کا آپریشن جاری ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ مصائب سے دوچار اس علاقے کے شہریوں کی زندگیوں میں بہتری لانے کے لئے با مقصد اقدامات کئے جائیں۔

اقلیتوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ پاکستان میں مذہبی اقلیتیں اب بھی تمام شہریوں میں سب سے زیادہ غیر محفوظ ہیں۔ مذہب کی بنیاد پر تشدد، امتیازی سلوک اور قانون کے غیر مساوی تحفظ کے حوالے سے اقلیتوں کی مسلمہ شکایات کا ابھی تک ازالہ نہیں کیا گیا۔ حکومت نے نفرت انگیز تقاریر کو روکنے کی تھوڑی بہت کوشش تو کی ہے لیکن مجرموں کو حاصل سزا سے استثنیٰ کے باعث یہ روایت اب بھی برقرار ہے۔ شہریوں سے بدلہ لینے یا انہیں سزا دینے کے لئے توہین مذہب کے قانون کے استعمال اور وکلاء اور ججوں کو دھمکائے جانے کے باعث ایسے مقدمات پر غیر جانبدارانہ فیصلہ دینا ناممکن ہو گیا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ قصور میں بچوں سے زیادتی اور استحصال کے واقعات کسی بھی مہذب معاشرے کا سر شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہیں۔ قصور میں بچوں کے جنسی استحصال، ان کی ویڈیوز بنانے اور فروخت کرنے کی مثال ملک کے کسی حصے میں نہیں ملتی۔ اس شرمناک معاملے نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ قوم کے بچوں کے لئے کوئی تحفظ موجود نہیں۔ ہمیں ان واقعات سے سبق سیکھنا چاہئے اور سول سوسائٹی کو اس بات پر نظر رکھنی چاہئے کہ اس معاملے کو حسب معمول نظر انداز نہ کر دیا جائے۔

گمشدگیوں کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ جبری گمشدگیوں کے واقعات کی اطلاعات ملک کے تقریباً تمام علاقوں سے موصول ہو رہی ہیں، لیکن انسانی حقوق کی اس سنگین خلاف ورزی کو حکام، عدلیہ اور حتیٰ کہ میڈیا کی جانب سے جو توجہ ملنی چاہئے تھی وہ نہیں مل سکی۔ اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ نے جبری گمشدگیوں کے بارے میں 2012ء میں جو سفارشات کی تھیں ان پر عمل نہیں کیا گیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکام کی ترجیحات میں شامل نہیں۔ اگر حالات کو بہتر کرنا ہے تو ورکنگ گروپ کی سفارشات پر فی الفور عمل کرنا ہوگا۔

فوجی آپریشنوں میں شفافیت کے فقدان کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ملک بھر میں ہر قسم کے جنگجوؤں کے خلاف کاروائی کی ضرورت پر کافی عرصے سے بحث ہوتی رہی ہے اور اب وہ لوگ بھی اس بات پر متفق ہو گئے ہیں جو گزشتہ سال پشاور میں

آرمی پبلک اسکول پر ہونے والے حملے کے بعد ایسا کرنے سے انکاری تھے۔ تاہم فوجی آپریشن کے چند پہلوؤں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ملک کے شمال مغربی حصوں میں جاری آپریشنوں میں شفافیت کا فقدان ہے اور معلومات تک رسائی میں میڈیا اور سول سوسائٹی کی مشکلات کے باعث معاملات مزید گھمبیر ہو گئے ہیں۔ آپریشنوں میں سویلین عمل دخل اور نگرانی کا فقدان ہے۔ اسے بلا تاخیر تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپریشنوں کے نتیجے میں بے دخل ہونے والے پاکستانیوں کی حالت زار ترجیحات میں شامل نہیں۔ نہ صرف ان کے مصائب دور کیئے جانے چاہئیں بلکہ بے دخلی سے بچنے کے لئے تجربات سے سیکھتے ہوئے پالیسیاں بنائی چاہئیں۔

چیئرپرسن اور کونسل اراکین

کراچی سے اغواء ہونے والی لڑکیوں کی بازیابی کے لئے فوری اقدامات کیئے جائیں

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے حکام سے ان لڑکیوں کی بازیابی کے لئے فوری اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا ہے جنہیں اطلاع کے مطابق ستمبر کے شروع میں کراچی سے اغواء کیا گیا تھا۔ ایچ آر سی پی نے یہ خواتین کے اغواء اور سمگلنگ پر قابو پانے میں ناکامی پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے۔

جمعہ کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ''ایچ آر سی پی ان تین لڑکیوں کی خیروعافیت کے بارے میں سخت فکرمند ہے جنہیں 7 ستمبر کو کراچی سے اغواء کیا گیا اور اطلاع کے مطابق انہیں سندھ کے ایک دورافتادہ گاؤں میں قید کر کے رکھا گیا ہے۔ ہم نے سندھ پولیس اور انتظامیہ کو ایک خط لکھا ہے جس میں ہم نے اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لڑکیوں کی بحفاظت بازیابی کا مطالبہ کیا ہے۔ ''صورت عمری، نگینہ اور سبینہ نامی لڑکیاں کم سن بتائی جاتی ہیں، اور ان کے خاندان نے ان کے اغواء کا مقدمہ درج کرایا تھا۔ اب تک صرف ایک ملزم کو گرفتار کیا گیا ہے جس کا یہ کہنا ہے کہ لڑکیوں کو لاڑکانہ لے جایا گیا تھا۔ ایچ آر سی پی کو اطلاع ملی ہے کہ لاڑکانہ کے ایک پولیس اہلکار نے متاثرہ خاندان کو مشورہ دیا ہے کہ وہ لڑکیوں کی رہائی کے لئے اغواء کاروں کو دس لاکھ روپے تاوان ادا کریں۔

''اس کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوا کہ لڑکیوں کو لاڑکانہ سے شکارپور اور وہاں سے پاک بھارت سرحد کے قریبی گاؤں خانپور منتقل کر دیا گیا ہے۔ ایچ آر سی پی خاندان کی جانب سے فراہم کی گئیں تمام معلومات کی تصدیق کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے، لیکن ہم حکام پر زور دیتے ہیں کہ وہ معاملے کی فوری تحقیقات کرتے ہوئے لڑکیوں کو بازیاب کرائیں۔

''اس واقعے کے علاوہ، ہم حکومت سے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ وہ خواتین کے اغواء اور سمگلنگ کی لاتعداد اور مصدقہ اطلاعات کی تحقیقات کرے، خاص طور پر بالائی سندھ میں، جہاں اغواء کاروں اور مقامی جاگیرداروں کی پولیس کے ساتھ ملی بھگت خواتین کے اغواء، سمگلنگ اور فروخت کے خاتمے میں ایک بڑی رکاوٹ معلوم ہوتی ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 16 اکتوبر 2015]

'سیاسی جماعتیں اب انتخابی اصلاحات پر فوری توجہ دیں'......ایچ آر سی پی

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اتوار کو ہونے والے ضمنی انتخاب میں حصہ لینے والی سیاسی جماعتوں پر زور دیا ہے کہ وہ ناخوشگوار انتخابی مہم کو خیرباد کہہ دیں تاکہ سیاست کا رُخ واپس عوام کے اصل مسائل کی طرف ہو سکے۔ کمیشن نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ بامقصد انتخابی اصلاحات کے لیے فوری طور پر اقدامات کیے جائیں۔

پیر کے روز جاری ہونے والے ایک بیان میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اس حقیقت کا خیرمقدم کیا ہے کہ اتوار کو ہونے والے ضمنی انتخابات عمومی طور پر پُرامن رہے۔ حالانکہ لوگوں کی سوچ اس کے بالکل برعکس تھی انتخابی مسابقت یا مقابلہ کا جہاں تک تعلق ہے تو اس حوالے سے ایچ آر سی پی ایسے ہر نتیجے کا خیرمقدم کرتا ہے جس سے جمہوری عمل کو فروغ ملتا ہو لیکن کمیشن یہ واضح کردینا ضروری سمجھتا ہے کہ بندوق کی نوک پر اور فوج کی نگرانی میں ایسی کوئی کارروائی کرنا جمہوری اصولوں کے منافی ہے۔

''ضمنی انتخابات میں ایسے بہت سے دوسرے عناصر بھی سامنے آئے جن کا جمہوریت کے فروغ میں شاید کوئی کردار نہیں تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ انتخاب انتہائی مہنگا بلکہ بہت زیادہ مہنگا انتخاب تھا۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ این اے 122 کا ضمنی انتخاب پاکستان تحریک انصاف اور پاکستان مسلم لیگ ن دونوں ہی کے لیے عزت اور وقار کا مسئلہ بن چکا تھا۔ بہت سے لوگ ایسے انتخاب کو جمہوری تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کریں گے جس میں اس قدر دولت ضائع کی گئی ہو۔ یہ صورت حال ظاہر کرتی ہے کہ ہمارے ہاں ابھی تک یہ تصور پایا جاتا ہے کہ صرف امراء ہی انتخاب لڑ سکتے ہیں۔ خصوصاً لاہور کے ضمنی انتخاب میں دونوں جماعتوں نے ناخوشگوار انتخابی مہم چلائی اور عدم برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے خلاف تکلیف دہ باتیں کیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کا مذاق اڑایا، ایک دوسرے پر بہتان تراشیاں کیں اور ایک دوسرے پر ذاتی حملے کیے۔''

کمیشن نے بیان میں مزید کہا کہ ''لوگوں کے مسائل ان سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ وہ خود پسندی، انا پرستی، مجہول غرور سے کہیں زیادہ بڑے مسائل سے دوچار ہیں۔ جمہوریت کے حوالے سے ہر ایک کی اپنی اپنی سوچ ہے۔ یہ کافی اہم مسائل ہیں۔ اس کے باوجود گورننس اور دوسرے اہم مسائل پر توجہ بہت کم دی گئی۔ ہر انتخاب میں ایک امیدوار جیتتا ہے اور دوسرا ہار جاتا ہے۔ لیکن انتخابات کو دوسروں کے نقصان کے لیے استعمال کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔ اتوار کے ضمنی انتخاب کو مہنگی ترین فتح ہی کہا جاسکتا ہے۔ پاکستان تحریک انصاف کا اعزاز ہے کہ اس نے اس انتخاب کو بے حد سخت مقابلہ بنا دیا۔ انتخابی نتائج ہر سیاسی تنظیم کی آنکھیں کھول دینے کے لیے ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنی کارکردگی کا جائزہ لیں۔ اتوار کے ضمنی انتخاب میں بہت سی تنبیہات موجود ہیں جن سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ صرف

حزب اختلاف نہیں بلکہ حکومت کے لیے بھی بہت سے اسباق موجود ہوتے ہیں۔'' کمیشن نے امید ظاہر کی کہ انتخابی نتیجہ کا نشہ جیتنے والے کے سر کو نہیں چڑھے گا۔ اس کو یاد رکھنا ہو گا کہ ووٹروں کی ایک بڑی تعداد نے اس کے خلاف ووٹ دیئے ہیں اور بہت سے لوگوں نے ووٹ کا حق استعمال ہی نہیں کیا۔ اب یہ تمام سیاسی جماعتوں پر منحصر ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ سیاست کا رُخ دوبارہ مسائل کی طرف موڑا جائے اور لوگوں کو باور کرایا جائے کہ تمام چیلنجوں کا سامنا جمہوری طریقے سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ ایچ آر سی پی تمام سیاسی جماعتوں پر عاجزانہ استدعا کرتا ہے کہ وہ مل جل کر انتخابی اصلاحات پر کام کریں اور ان اصلاحات کو تیار کر کے متعارف کروائیں اور یہ کام صرف اور صرف سول ذرائع ہی سے ہونا چاہیے تاکہ آئندہ انتخابات بہتر طریقے سے منعقد ہو سکیں۔ ایچ آر سی پی سیاسی قوتوں کو متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ انتخابی اصلاحات میں مزید تاخیر کے نتیجے میں وقیع تبدیلیاں اور عمومی اتفاق رائے مشکل ہو جائے گا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 12 اکتوبر 2015]

ثقافتی ورثے کو لاحق خطرات

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے پنجاب حکومت سے کہا ہے کہ وہ اورنج ٹرین منصوبہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے لوگوں کے ثقافتی ورثے کے تحفظ کے بنیادی حق پر حملہ آور ہونے سے باز رہے۔ کمیشن نے کہا ہے کہ لاہور میں اورنج ٹرین کی خاطر جنرل پوسٹ آفس کی عمارت کو تباہ کرنے کے عمل کو غارت گری اور رعونت کی بدترین مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج لاہور سے جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا کہ عوام کے حقوق کا تحفظ کرنے والوں اور انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والے تمام سرگرم افراد کو لاہور کے ثقافتی ورثے کو تباہ کرنے کے نئے منصوبوں کے بارے میں جان کر انتہائی دکھ ہوا ہوگا۔ بتایا جاتا ہے کہ لاہور کے جنرل پوسٹ آفس کی عمارت کے ایک حصے کو گرانے کے لئے نشان زد کر دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد اورنج ٹرین منصوبے کے لیے جگہ مہیا کرنا ہے۔ اس سے قبل پنجاب یونیورسٹی کے اساتذہ نے اس منصوبے کی وجہ سے اپنے اثاثوں کو درپیش خطرے کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ لیکن ایسے لگتا ہے جیسے پنجاب حکومت نے ایک قابل اعتراض فیصلہ کے تحت عدلیہ سے کلی اختیار ملنے کے بعد شہر لاہور کی شناخت کو تباہ کرنے کے پروگرام پر عملدرآمد کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔

کمیشن نے مزید کہا کہ تاریخ اور ثقافت کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ جنرل پوسٹ آفس (لاہور) کی عمارت اور پٹیالہ گراؤنڈ کی چند عمارتیں جنہیں نشان زدہ کیا گیا ہے وہ عوامی ورثے کا حصہ ہیں اور جی پی او کی عمارت کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے۔ حکومت کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ثقافت اور ورثے کا تحفظ عوام کے بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک ہے اور کسی بھی حکومت کو اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لاہور کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ غارت گری اور تکبر کے سوا اور کچھ نہیں۔

''ایچ آر سی پی حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اورنج ٹرین اور ان تمام منصوبوں پر نظر ثانی کرے جو تاریخی مقامات کے لیے نقصان یا تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ ایچ آر سی پی یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ حکومت پنجاب ورثے کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ایک واضح اور اٹل عزم کا اظہار کرے''۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 22 اکتوبر 2015]

پاکستان کا کونسل برائے انسانی حقوق کی نشست سے محروم ہو جانا باعث افسوس ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے پاکستان کے اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کے لئے دوبارہ منتخب ہونے میں ناکامی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے فوری اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں نہ صرف انسانی حقوق پر عمل درآمد ہو بلکہ ان پر عملدرآمد ہوتا دکھائی بھی دے۔

جمعہ کے روز میڈیا کو دیے گئے ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ''ایچ آر سی پی اس بات پر برہم ہے کہ

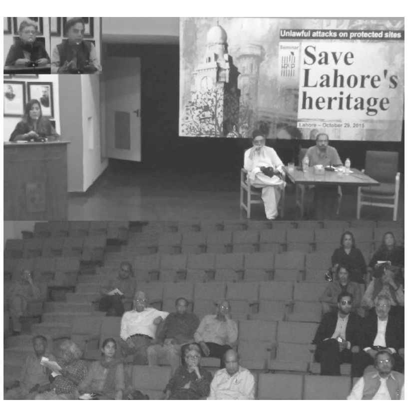

لاہور، 29 اکتوبر، ایچ آر سی پی کے ایوان جمہور میں ''لاہور کے ثقافتی ورثے کو بچایا جائے'' کے عنوان سے ایک اجتماع منعقد ہوا۔

پاکستان اقوام متحدہ کی کونسل برائے انسانی حقوق کی نشست کے لئے دوبارہ منتخب نہیں ہو سکا، چونکہ اس نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں صرف 105 ووٹ حاصل کئے۔ کونسل برائے انسانی حقوق کے لئے دوبارہ منتخب نہ ہونے والی دوسری ریاست عوامی جمہوریہ لاؤس تھی، اور اس نے بھی 105 ووٹ حاصل کئے۔

''ایشیائی گروپ کی پانچ نشستوں کے لئے سات امیدوار تھے۔ متحدہ عرب امارات 159 کے ساتھ، اور جنوبی کوریا 137 ووٹوں کے ساتھ دوبارہ منتخب ہوا۔ منگولیا 172 ووٹوں کے ساتھ سرفہرست رہا۔ کرغیزستان نے 147 ووٹ اور فلپائن نے 113 ووٹ حاصل کئے۔ منتخب ہونے والے ممالک یکم جنوری سے تین سال تک 47 رکنی کونسل برائے انسانی حقوق کے لیے کام کریں گے۔

''یہ رائے دہی یقینی طور پر اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ پاکستانی نمائندے اقوام متحدہ کے اراکین کو انسانی حقوق کے شعبے میں ملک کی کارکردگی کے بارے میں قائل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اسے پاکستانی حکام کے لئے ایک تنبیہہ کے طور پر لینا چاہئے کہ وہ اصلاحات لانے اور اس بات کو یقینی بنانے کے لئے اپنی کوششوں کو تیز کریں کہ پاکستان میں نہ صرف انسانی حقوق پر عمل درآمد ہو بلکہ ان پر عمل درآمد ہوتا دکھائی بھی دے۔

''انسانی حقوق تحفظ کو یقینی بنانے کی زیادہ تر ذمہ داری اب صوبوں کو منتقل ہو چکی ہے، لہٰذا انہیں انسانی حقوق کے لئے مناسب طریقہ کار کی تشکیل اور مناسب وسائل کی تخصیص کو اولین ترجیح دینی چاہئے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 30 اکتوبر 2015]

دیہی خواتین کی صدائیں

آئی۔اے۔رحمٰن

سول سوسائٹی کی تنظیمیں پاکستانی خواتین کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے گذشتہ 10 دن اسلام آباد مجتمع رہیں اور ریاستی حکام کی توجہ کئی اہداف کی جانب مبذول کروائی جن سے وہ حتی الامکان چشم پوشی نہیں کر سکتے۔

سول سوسائٹی کی تنظیموں کے نیٹ ورک، "جہیز کے خلاف جنگ ایڈووکیسی نیٹ ورک"، نے نیشنل کمیشن فار ہیومن رائٹس اور کئی این جی اوز کے تعاون سے ایک مشاورت کا اہتمام کیا جس میں خواتین کے خلاف جہیز سے متعلقہ برائیوں کے خاتمے کے لیے واضح قانون سازی اور ریاستی پالیسی کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ یہ معاملہ پہلے بھی کافی زیادہ موضوع بحث رہا ہے تاہم جہیز کی روایت کے باعث وسیع پیمانے پر ہونے والے تشدد (بشمول ہلاکتیں)، ناخوشی اور حقوق کی پامالی سے نبٹنا بہت ضروری ہے۔

"خواتین کو تیزاب گردی سے تحفظ، مجرموں کو سزا، اور متاثرین کو ریلیف اور معاوضے کی فراہمی"، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی منعقد کردہ مشاورت کا موضوع تھا۔ ریاستی حکام کے پاس اب افکار کی کمی نہیں ہے جن سے وہ مستفید ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ان کے پاس خوفناک ترین جرم سے نبٹنے کے لیے وقت ہو جو متاثرین کو برائے نام اور ناخوش زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

سب سے قابل ذکر تقریب دیہی خواتین کے عالمی دن پر، 'پوٹھوہار آرگنائزیشن فار ڈویلپمنٹ ایڈووکیسی' (پوڈا) نے منعقد کی جس کا عنوان تھا، "جمہوریت ترقی اور امن"۔ یہ اقوام متحدہ کی قرار 2007، " دیہی علاقوں میں خواتین کی حالت میں بہتری"، کی تعمیل میں منعقد ہونیوالی اس نوعیت کی آٹھویں تقریب تھی۔ مذکورہ قرارداد میں اعلان کیا گیا تھا کہ ہر سال 15 اکتوبر 'دیہی خواتین کے عالمی دن' کے طور پر منایا جائے گا۔

پوڈا کی 2009 کی کانفرنس میں اُس وقت کے وزیر اعظم نے 15 اکتوبر کو پاکستان میں دیہی خواتین کا قومی دن قرار دیا تھا مگر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ حکومت کو غیر معمولی جذبے اور عزم کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں دیہی خواتین تک پہنچنے کے لیے بہت زیادہ محنت درکار ہے۔

اس برس کی کانفرنس کو، 'قومی کمیشن برائے مقام نسواں، رورل سپورٹ پروگرام نیٹ ورک، لوک ورثہ اور بعض عالمی غیر سرکاری تنظیموں سمیت قومی سطح کی کئی تنظیموں کی حمایت حاصل تھی۔ چند ایک شہری گروہ اور نچلی سطح کی دیہی سول سوسائٹی کی تنظیمیں بھی ان کے ساتھ شریک تھیں۔ کانفرنس کے ستارے 1600 دیہی خواتین تھیں جو آواران، تھرپارکر، چولستان اور ہنزہ جیسے دور دراز علاقوں سمیت پاکستان بھر سے آئی تھیں۔

کانفرنس کے منتظمین نے اعداد و شمار سے واضح کیا کہ دیہی خواتین پر توجہ دینا کتنا ضروری ہے۔ پسماندہ طبقوں کے ساتھیوں کو یہ اعداد و شمار ذہن میں رکھنے چاہیں۔ قومی اعداد و شمار کے برعکس دیہی پاکستان میں (ملکی آبادی کا 61.4 فیصد) خواتین (50.8 فیصد) مردوں (49.2 فیصد) سے زیادہ ہیں؛ مجموعی شرح خواندگی 49 فیصد ہے؛ کل خواندہ افراد میں سے خواتین کا حصہ 36 فیصد ہے؛ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق دیہی خواتین کی افرادی قوت کل افرادی قوت کا صرف 16.8 فیصد ہے۔ درحقیقت، 79.4 فیصد دیہی خواتین زراعت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، شعبہ زراعت میں مردوں سے زیادہ عورتیں کام کر رہی ہیں۔

> دیہی خواتین اس وقت تک غربت، انحصاری، استحصال اور بے بسی کے منحوس چکر سے باہر نہیں نکل سکتیں جب تک انہیں جامع زرعی اصلاحات کے نتیجے میں زمین کی ملکیت کا حق، موروثی جائیداد کا حق، ازدواجی تعلقات اور خانگی معاملات میں برابری کا حق، نقل و حرکت، اظہار رائے اور انجمن سازی کا حق نہیں مل جاتا۔

'باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے گھروں میں رہ کر کام کرنے والی خواتین مزدوروں کی جدوجہد'، 'بلدیاتی انتخاب میں خواتین کے حقوق'، 'خواتین اور لڑکیوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کے لیے اسٹریٹیجک معاونت کی تحریک'، اور' جنسی تشدد کے خاتمے کے لیے آگاہی دینے کے لئے ریڈیو کا استعمال' جیسے موضوعات پر پالیسی ساز سیشن منعقد ہوئے جن میں خواتین کی حالت زار کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لایا گیا۔

ان مباحثوں کی نظامت کے فرائض سیاسی اشرافیہ، غیر ملکی ماہرین اور اپنے شعبوں کے خصوصی ماہرین نے سرانجام دیے۔ وزراء اور اراکین پارلیمان نے رجائیت پسندی کا برملا اظہار کیا مگر دیہی خواتین کے مسائل سے حکومتی لاتعلقی کی شہرت کو مدنظر رکھا جائے تو یہ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ طاقت کے ایوانوں اور سیاسی جماعتوں کی پالیسی ساز کونسلوں میں ان کا کوئی زیادہ اثر و رسوخ ہے۔ خواتین کارکنوں نے بہت زیادہ صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے پدرسری نظام، قدامت پسند مذہبی رہنماؤں کے جبر، وڈیرے اور پولیس میں ان کے ساتھیوں کی سنگدلی، اور سب سے بڑھ کر سیاسی حکام کی بے حسی کی برملاء مذمت کی۔

یاد رہے کہ موسموں کے مارے دیہی ترجمانوں کا بیانیہ صرف لامتناہی نوحے تک محدود نہیں تھا۔ ان میں سے کئی نے ذاتی مفادات کے لیے کھڑی کی گئی رکاوٹوں کو توڑنے کے لیے کی گئی کاوشوں کا ذکر کیا۔ دیہی عورتوں میں بیداری کی لہر (اگرچہ وہ معمولی نوعیت کی ہی ہے) اور اُن کے لہجے میں ثابت قدمی کی گونج سے اقتدار پر براجمان اور اس کے آرزومند سیاستدانوں کی بچگانہ خطابت سے زیادہ بڑی نوعیت کی تبدیلی کے امکان کا یقین پختہ ہو جاتا ہے۔

کانفرنس کی قرارداد نے چند کارکنوں کے انقلابی ولولے کی بجائے ادنیٰ سطح کے اصلاحاتی ایجنڈے کی حمایت کی۔ خواتین کسانوں کو تسلیم کرنا، غیر رسمی شعبہ کے مزدوروں کو سہولیات کی فراہمی، منتخب اداروں کی تمام سطحوں پر خواتین کے لیے 33 فیصد نشستیں، مقامی اداروں اور براہ راست انتخابات میں خواتین کی نشستوں میں اضافہ، گھروں میں رہ کر کام کرنے والے مزدوروں کی رجسٹریشن اور ان کے کام کار کے حالات میں بہتری، خواتین دوست قوانین کا نفاذ، اقلیتی خواتین کا تحفظ، ہر قسم کے تشدد کی ممانعت اور متاثرین کی بحالی نو، بہتر غذائی تحفظ، متاثرہ افراد کے لیے قانون ساز اداروں اور ملازمتوں میں خصوصی کوٹہ اور امن کے فروغ میں خواتین کا سرگرم کردار قرارداد کے مطالبات تھے۔

سماجی۔ معاشی تبدیلی کی جستجو اور انقلابی افکار کے اظہار کے نتیجے میں پیدا ہونیوالے خطرات کے پیش نظر شرکاء کانفرنس کی مخالفانہ اسٹیبلشمنٹ کی متعین کردہ حدود کے اندر رہنے کی خواہش قابل فہم ہے۔ مگر دیہی معاشرے کے مرکزی بحران سے واقف ہر فرد جانتا ہے کہ وڈیرے کی گرفت سے آزادی اور شعبہ زراعت کی اصلاح کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔

دیہی خواتین اس وقت تک غربت، انحصاری، استحصال اور بے بسی کے منحوس چکر سے باہر نہیں نکل سکتیں جب تک انہیں جامع زرعی اصلاحات کے نتیجے میں زمین کی ملکیت کا حق، موروثی جائیداد کا حق، ازدواجی تعلقات اور خانگی معاملات میں برابری کا حق نقل و حرکت، اظہار رائے اور انجمن سازی کا حق نہیں مل جاتا۔ 'قابل عمل' پر توجہ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ دیہی خواتین کی خودمختاری کے ہدف کو نظر انداز کر دیا جائے اور نہ ہی شہری خواتین کے ساتھ ان کی جڑت اور ہم موافق ذہن کے حامل مردوں سے ملنے والی معاونت سے چشم پوشی اختیار کی جا سکتی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں ایچ آر سی پی کے اہم مشاہدات

توہین مذہب سے متعلق قوانین

یہ مسئلہ ریاست پاکستان کو درپیش انتہائی پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانی حقوق اور مذہبی اقلیتوں سے ہے۔ توہین مذہب کے واقعات پاکستان کی مذہبی اقلیتوں کے لئے مسلسل شدید نقصانات کا باعث ہیں۔ احمدی برادری کو خاص طور پر توہین مذہب کے الزامات کا سامنا کرنا پڑا ہے جس سے ان کی سماجی زندگی تقریباً ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ توہین مذہب کے قوانین پر بحث جاری ہے اور اس کی اصلاح کا کام مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں، ٹیکنالوجی اور سوشل میڈیا نے توہین مذہب کے الزامات کے لئے مزید گنجائش پیدا کی ہے۔ آخر میں، ایسے علاقائی تنازعات جن میں توہین مذہب کے الزامات عائد کئے گئے ہوں، ان کے تصفیے کی کوششیں بھی جزوی طور پر کامیاب ہوئی ہیں۔ چونکہ توہین مذہب کے قوانین کی تنسیخ یا اصلاح کافی مشکل کام ہے اس لئے سول سوسائٹی اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو ایسے تنازعات کے تصفیے اور توہین مذہب کے جھوٹے الزامات کی روک تھام کے لئے اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

سماجی امتیاز

پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیازی سلوک وسیع پیمانے پر ہونے والے سماجی تجربات کو ظاہر کرتا ہے۔ رسمی اصطلاحات، جیسے کہ آئینی اور قانونی معاملات میں اس کے معنی عام طور پر غیر مساوی اور ناروا سلوک کے طور پر لیے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اس باب میں ایک مختلف قسم کے امتیازی سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ کافی وسیع ہیں، جیسے کہ کام کی جگہ پر پیش آنے والی مشکلات، جرائم کے جھوٹے مقدمات میں شامل کرنا، قتل، اقدام قتل، منظم اور پرتشدد حملے، عدم رواداری، اغوا، ہراساں کرنا، ایذا رسانی، زمینوں پر قبضہ کرنا، انخلاء اور تدفین۔ بعض اوقات یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان واقعات میں ملوث لوگوں کا مقصد کیا تھا؛ تاہم مذہبی اقلیتوں کو ایسے تجربات کا اکثر سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سماجی امتیاز کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عدالت، پولیس، اور بیوروکریسی جیسے ادارے مذہبی اقلیتوں کو مزید نقصان پہنچانے کی بجائے ان کی مدد کریں۔

خواتین کے خلاف جرائم

خواتین کے خلاف جرائم کے مقدمات کی ایک بڑی تعداد کا تعلق جنسی زیادتی سے ہوتا ہے۔ اس باب کے مطالعے کے دوران اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے، جو انہیں مزید خوفزدہ اور کمزور بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اغوا کے واقعات، اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ وہ جنسی نوعیت کے ہوں، تاہم وہ ان کی کمزور حیثیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ چنانچہ ان خواتین کو نہ صرف مذہبی اقلیت کی رکن ہونے کی بناء پر بلکہ ایک عورت ہونے کی وجہ سے بھی چیلنجوں کا سامنا رہتا ہے، اور پاکستان میں ان دونوں کے انسانی حقوق کو تحفظ حاصل نہیں ہے۔ ریاستی ادارے خواتین کے خلاف جرائم پر خاموش ہیں؛ وہ یا تو خواتین کے تحفظ میں دلچسپی نہیں رکھتے یا پھر وہ ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مذہبی آزادی

مذہبی آزادی کو عبادت گاہوں پر حملے، لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیمات پر عمل کرنے سے روکنا، جبری تبدیلی مذہب، اغوا، نفرت انگیز تقریر، ٹارگٹ کلنگ، اور دیگر خطرات، جیسے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ تشدد کی دیگر اقسام کی ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مذمت کی گئی ہے۔ مذہبی اقلیتیں روزمرہ کی بنیاد پر تشدد کا نشانہ بنتی ہیں، اور ریاستی اداروں کی جانب سے مناسب تحفظ یا سیکیورٹی فراہم نہیں کی جاتی۔ بہت سی مذہبی اقلیتیں، خاص طور پر احمدی برادری، سرعام یا خفیہ طور پر اپنے مذہب پر عمل نہیں کر سکتیں۔ علاوہ ازیں، جسمانی حملوں، دھمکیوں اور نفرت انگیز تقاریر کے ذریعے ان کی آزادی کو مزید محدود کر دیا گیا ہے۔

مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزیوں کا مختصر جائزہ

قومی کمیشن برائے امن وانصاف کا ہیومن رائٹس مانیٹر (ایچ آر ایم) مذہبی اقلیتوں کے خلاف ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تفصیلات جمع کرتا ہے اور ان کا تجزیہ کرتا ہے۔ ریاست پاکستان اور غیر ریاستی عناصر دونوں ہی ان خلاف ورزیوں میں ملوث ہیں، اور بعض اوقات یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی تشویشناک صورتحال ہے جس کا پاکستان میں انسانی حقوق کے محافظین کو ایک طویل عرصے سے سامنا ہے۔ ریاست پاکستان نے اقوام متحدہ کے کنونشنوں اور دیگر بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کر رکھے ہیں۔ ایچ آر ایم کے مطابق کنونشنوں اور معاہدوں پر دستخط کرنے کے باوجود ریاست مختلف طریقوں سے ان کی مسلسل خلاف ورزی کر رہی ہے، اور یہ اقلیتوں اور خواتین کے حقوق تحفظ کو یقینی بنانے میں ناکام ہے اور بعض اوقات یہ خود انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا ارتکاب کرتی ہے۔ اس ایچ آر ایم کو پڑھنے والوں کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ریاست پاکستان انسانی حقوق کے فروغ اور پامالی دونوں ہی میں کافی سرگرم ہے۔ پاکستان اور دیگر ممالک میں کام کرنے والی انسانی حقوق کی تنظیموں نے یہ بات تفصیل سے بیان کی ہے کہ غیر ریاستی عناصر، بالخصوص مذہبی سیاسی جماعتوں نے پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال میں ایک تباہ کن کردار ادا کیا ہے۔ یہ غیر ریاستی عناصر قابل اعتبار بننے کے لئے نہ صرف ریاست کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر کام کرتے رہے ہیں بلکہ وہ اس سے مالی اور سیاسی مدد بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان رسمی اور غیر رسمی رابطوں کو توڑنے کی ضرورت ہے، خاص طور پر اس وقت جب یہ غیر ریاستی عناصر خود ہی تشدد میں ملوث ہوں، اس کی معاونت کرتے ہوں، یا پھر اس کی حمایت کرتے ہوں۔ پاکستان گزشتہ ایک دہائی یا اس سے زائد عرصے سے ایک جمہوری تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے۔ موجودہ ایچ آر ایم کو اسی جمہوری تبدیلی کی روشنی میں پڑھا جانا چاہئے۔ انتخابی جمہوریت جڑ پکڑنے لگی ہے، اور اس عمل کو مقامی اور بین الاقوامی اداروں کی حمایت کی ضرورت ہے۔ جمہوری حکومتوں کے خلاف بدعنوانی، برے نظم ونسق، اور سیاسی جھگڑوں کے الزامات کو فوجی مداخلت کے جواز کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم ہمیں جمہوریت کا مفہوم ایسی رسمی، محدود اصطلاحات میں نہیں لینا چاہئے۔

جمہوریت نہ تو ریاست کے ڈھانچے سے شروع ہوتی ہے اور نہ ہی اس پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے لئے ایک خاص جذبے اور حساسیت درکار ہے۔ مختلف حلقوں اور مختلف سطحوں پر ایک جمہوری جذبے اور حساسیت کو یقینی بنانے کے لئے اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ قومی اور صوبائی حکومتوں، اور سول سوسائٹی کی جانب سے شروع کئے گئے پروگراموں کو شہریوں میں باہمی تعلق، ایک دوسرے کا درد بانٹنے، اور اشتمال میں اضافے کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ پاکستان میں جڑ پکڑتا ہوا ایسا رویہ اور حساسیت پھر خود ایک ریاست میں تبدیل ہو جائے گا جس کی بدولت ریاست کے تمام باشندوں کو انسانی حقوق کے حوالے سے زیادہ حساس بنانے میں مدد ملے گی۔

سزائے موت کا عالمی دن

حیدرآباد 10اکتوبر کو ایچ آر سی پی حیدرآباد کی جانب سے سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر حیدرآباد پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا گیا جس کے شرکاء نے پھانسی کی سزا کے خلاف نعرے بازی کی۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر اشو تھاما کا کہنا تھا کہ ملک میں گزشتہ سال ماہ دسمبر سے رواں سال کے ماہ ستمبر تک 246افراد کو پھانسی کی سزا دی گئی حالانکہ 10اکتوبر کو دنیا بھر میں موت کی سزا کے خلاف عالمی دن منایا جارہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسی پالیسیاں بنائے جن کے ذریعے عجلت میں دی جانے والی پھانسیوں کے سبب انسانی حقوق کی خلاف ورزی کو روکا جاسکے۔انہوں نے الزام عائد کیا کہ پھانسی کی سزا پر عملدرآمد کے دوران کچھ ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ سزا کو سیاسی ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کیا گیا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پھانسی کی سزا کے ذریعے لوگوں کو انصاف دینے کے بجائے مخصوص معاملات طے کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ پھانسی کی سزا پر فی الفور پابندی لگا کر اس مسئلہ پر سوچ بچار کی جائے اور ایک جامع وموثر پالیسی تشکیل دی جائے کیونکہ پھانسی کی سزا کا شکار اکثر غریب اور بے بس شخص ہی ہوتا ہے۔اس موقع پر لالہ عبدالحلیم شیخ، نقیب کھرو، چندن کمار، معشوق بھرگڑی، غفرانہ آرائیں، پنہل ساریو، جاوید اور دیگر بھی شریک تھے

(لالہ عبدالحلیم)

ملتان پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس ملتان نے مورخہ 10اکتوبر 2015ء کو سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر نواں شہر چوک سے پریس کلب ملتان تک پرامن ریلی کا انعقاد کیا۔ ریلی میں سول سوسائٹی کے اراکین، طلباء اور انسانی حقوق کے ممبران نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ ریلی کے شرکاء نے بڑی تعداد میں بینرز اور پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے جن پر سزائے موت کے قانون کے خاتمے اور لوگوں کو تحفظ فراہم کرنے کے حق میں نعرے درج تھے۔ ریلی سے خطاب کرتے ہوئے شرکاء نے حکومت پر زور دیا کہ وہ ایسے حفاظتی اقدامات کرے جس سے اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ ایسی سزاؤں کے از سر نو آغاز سے پاکستان ان ذمہ داریوں کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہو جس کا اس نے عہد کر رکھا ہے اور ریاست جرم ختم کرنے کی بجائے انسانوں کو ختم نہ کرے۔ شرکاء نے مزید کہا کہ یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ سخت سزائے موت دینے سے معاشرے میں جرائم ختم کئے جاسکتے ہیں، انسانی حقوق کی پاسداری سے ہی معاشرے میں جرائم کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ شرکاء نے اس بات پر بھی زور دیا کہ پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کا احترام کرے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بالکل تنہا ہو جائیں۔ رپورٹ کے مطابق جنوری سے ستمبر 2015 تک 246افراد کی سزائے موت پر عمل درآمد ہو چکا ہے۔ ریلی کے شرکاء نے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے لوگوں کے حقوق کے لئے کام کرے۔ ریلی کے آخر میں شرکاء اور شہریوں نے سزائے موت خاتمے کے حوالے سے صدر پاکستان جناب ممنون حسین کے نام کھلے خط پر دستخط بھی کئے۔

(ایم اکمل)

> ملک میں رائج ناقص عدالتی نظام کے تحت ملزموں کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف آواز بلند کرنا اور اس قانون کے خاتمے کے لیے جدوجہد کرنا تھا۔ اجلاس میں مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کا کام قتل کرنا نہیں بلکہ شہریوں کی حفاظت کرنا ہے۔ سزائے موت ایک بھیانک قانون ہے اس کے ذریعے کئی بے گناہ افراد قتل کردیے جاتے ہیں۔ گلگت بلتستان میں **2010** ء سے لیکر اب انسداد دہشتگردی ایکٹ کے تحت پچاس سے زائد لوگوں کو سزائے موت سنائی گئی ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے افراد ہیں جو بے گناہ ہیں۔

گلگت 10اکتوبر 2015 کو سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام نوبل بوائز ہاسٹل گلگت کے ہال میں ایک مشاورتی اجلاس منعقد ہوا جس میں انسانی حقوق کے کارکنوں کے علاوہ گلگت کے تمام اضلاع سے تعلق رکھنے والے طلباء اور سول سوسائٹی کے افراد نے شرکت کی۔ اجلاس کا مقصد ملک میں رائج ناقص عدالتی نظام کے تحت ملزموں کو دی جانے والی سزائے موت کے خلاف آواز بلند کرنا اور اس قانون کے خاتمے کے لیے جدوجہد کرنا تھا۔ اجلاس میں مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کا کام قتل کرنا نہیں بلکہ شہریوں کی حفاظت کرنا ہے۔ سزائے موت ایک بھیانک قانون ہے اس کے ذریعے کئی بے گناہ افراد قتل کردیے جاتے ہیں۔ گلگت بلتستان میں 2010ء سے لیکر اب انسداد دہشتگردی ایکٹ کے تحت پچاس سے زائد لوگوں کو سزائے موت سنائی گئی ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے افراد ہیں جو بے گناہ ہیں۔ سزائے موت کے قیدیوں کو کال کوٹریوں میں بند کر کے ان کو اذیت دی جاتی ہے۔ اجلاس میں پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے صوبائی کوآرڈینیٹر اسرار الدین اسرار نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ سزائے موت دینے سے جرائم کم نہیں ہوتے بلکہ اس سے جرائم کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے بجائے عدالتی نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ تعلیمی اور سماجی انصاف کے فروغ اور معاشی ترقی سے ہی جرائم پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں جیلوں کو اصلاح کا مرکز کہا جاتا ہے جہاں مجرموں کو اچھی تربیت دی جاتی ہیں تاکہ وہ ایک مفید شہری بن سکیں۔ لیکن ہمارے ملک میں مجرموں کو اس قانون کے تحت قتل کیا جاتا ہے، قانون کے ذریعے جرم کو ختم کرنا چاہیے مجرم کو نہیں۔ گلگت بلتستان میں انسداد دہشت گردی ایکٹ کا نفاذ بذات خود انسانی حقوق کے خلاف ہے، جس کے ذریعے کئی بے گناہ افراد کو سزائے موت سنائی گئی ہے۔ یہاں عدالتی نظام اتنا ترقی یافتہ نہیں ہے کہ تیز رفتار ٹرائل کے ذریعے ایک ہفتے کے اندر ملزم کو سزائے موت سنائی جاسکے۔ بعدازاں شرکاء نے بینرز اور پلے کارڈز اٹھا کر سپریم اپیلٹ کورٹ گلگت بلتستان کی عمارت کے قریب سزائے موت کے قانون کے خلاف مظاہرہ کیا۔ اس موقع پر مقررین نے اپنے خطاب میں کہا کہ پاکستان میں جنوری سے لے کر ستمبر 2015 تک 236 کو سزائے موت دی جاچکی ہے جو کہ اس وعدے کی خلاف ورزی ہے جو پاکستان نے عالمی برادری سے کر رکھا ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ سزائے موت کا خاتمہ کرے اگر ایسا ممکن نہیں ہے تو سزائے موت پر عملدرآمد کے سلسلے کو فی الفور روک دے تاکہ سزائے موت کے خاتمے کے لئے راستہ ہموار ہوسکے۔

(اسرارالدین)

ٹارگٹ کلنگ کے خلاف احتجاج

حیدر آباد 10 ستمبر کو کراچی میں نجی ٹی وی چینل کے رپورٹر اور لاہور میں نیو نیوز کی رپورٹنگ ٹیم پر حملے کے خلاف فیڈرل یونین آف جرنلسٹ کے صدر رانا عظیم کی اپیل پر حیدرآباد یونین آف جرنلسٹ کی جانب سے پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا گیا۔جس میں اخبارات اور چینلز کے رپورٹرز، کیمرہ مین، فوٹو گرافرز نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ مظاہرین ''صحافیوں کو تحفظ دو، صحافیوں کے قاتلوں کو گرفتار کرو، آزادی صحافت پر حملہ کرنے والوں کو عبرتناک سزا دو'' کے نعرے لگا رہے تھے۔مظاہرے میں پی ایف یو جے کے رکن حمید الرحمان، ایچ یو جے کے صدر جنید خانزادہ، نائب صدر حامد شیخ، جوائنٹ سیکرٹری اشوک شرما، ناصر شیخ ایچ آر سی پی کے سینئر ممبر لالہ عبدالحلیم شیخ بھی موجود تھے۔اس موقع پر مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے پی ایف یو جے کے حمید الرحمان نے کہا کہ کراچی میں صحافیوں کو شہید کئے جانے اور لاہور میں نیو نیوز کی رپورٹنگ ٹیم پر حملہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حکومت عملاً صحافیوں کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔

(لالہ عبدالحلیم)

سیاسی جماعت کے رہنما کی ٹارگٹ کلنگ

تربت بلوچستان کے ضلع تربت میں مسلح افراد نے صوبے کی حکمران جماعت نیشنل پارٹی (این پی) کے مقامی رہنما محمد علی بلوچ کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔لیویز ذرائع کے مطابق موٹر سائیکل پر سوار دو مسلح ملزمان نے محمد علی بلوچ کو تحصیل تمپ کے علاقے بالیچا میں ان کی رہائش گاہ کے باہر نشانہ بنایا۔ملزمان فائرنگ کے بعد موقع سے فرار ہونے میں کامیاب رہے۔لیویز اہلکاروں نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر محمد علی بلوچ کی لاش کو قریبی ہسپتال منتقل کیا۔وزیر اعلیٰ بلوچستان عبدالمالک بلوچ کے ترجمان جان محمد بلیدی نے واقعے کی شدید مذمت کرتے ہوئے صوبے کا امن خراب کرنے کے لیے اسے سوچی سمجھی سازش قرار دیا۔انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ محمد علی بلوچ ہماری جماعت کے مقامی منتظم اور اہم رکن تھے جن کی ہلاکت پر نیشنل پارٹی 3 روز سوگ منائی گی۔ان کا کہنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو محمد علی بلوچ کے قاتلوں کو گرفتار کرنے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچانے کی ہدایت کر دی گئی ہے۔واقعے کی ذمہ داری اب تک کسی نے قبول نہیں کی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

متاثرین عارضی شیلٹروں میں زندگی گزارنے پر مجبور

بالاکوٹ خیبر پختونخوا کے شہر بالاکوٹ میں 10 سال پہلے زلزلے کے بعد سے ایک بڑی آبادی ایسے عارضی شیلٹروں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے جس میں دس دس فٹ کے صرف دو کمرے ہیں۔ان شیلٹرز میں پانچ سے 15 افراد پر مشتمل خاندان آباد ہیں۔بالاکوٹ میں 10 سال پہلے آٹھ اکتوبر کے زلزلے میں لگ بھگ نوے فیصد مکان تباہ ہو گئے تھے۔بالاکوٹ میں اس وقت کل مکانات کی تعداد تقریباً 40 ہزار تھی۔زلزلے سے اس شہر میں 18 ہزار افراد ہلاک ہو گئے تھے۔بالاکوٹ شہر اسی جگہ آباد ہے جہاں اس شہر کو اب نہیں ہونا چاہیے تھا۔پرانا بالاکوٹ جہاں واقع ہے وہ جگہ زلزلے کی فالٹ لائن پر ہے اور 10 سال پہلے حکومت نے یہاں سے کوئی 30 کلو میٹر دور ایک نیا بالاکوٹ شہر آباد کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔اس نئے بالاکوٹ کے منصوبے کے لیے زمین بھی خریدی گئی کام بھی کسی حد تک شروع ہوا لیکن لوگوں کو وہاں آباد نہیں کیا جا سکا۔پرانے بالاکوٹ میں زلزلے کے بعد نئے مکان بھی تعمیر ہوئے ہیں اور کاروبار زندگی بھی جاری ہے لیکن لوگوں میں سخت بے یقینی کی صورتحال پائی جاتی ہے۔بالاکوٹ شہر کے بڑے بازار میں لوگوں سے ان کا حال کیا پوچھا گیا وہ تو جیسے غبار لیے بیٹھے تھے، ایک سے بڑھ کر ایک مقرر اور ہر ایک کے پاس اپنے علاقے کے تمام اعداد و شمار موجود تھے۔طاہر خان نے بتایا کہ ان کے لیے جو نیا شہر آباد ہونا تھا اس پر کام کیا گیا اور فنڈز بھی منظور ہوئے لیکن وہ فنڈز کہاں گئے کچھ معلوم نہیں۔یہ لوگ ان ہی دو کمروں کے شیلٹرز میں رہ رہے ہیں جو بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ایک بزرگ خان زمان آگے آئے اور بولے کہ ان کے علاقے سے تعلق رکھنے والے اب خیبر پختونخوا کے گورنر ہیں، یہاں سے اراکین اسمبلی اور سینیٹ کے ممبرز ہیں لیکن ایرا کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔پانچ ہزار سے زیادہ عارضی مکان یا شیلٹرز زلزلے سے متاثرہ افراد کا مستقل ٹھکانہ بن چکے ہیں۔بیگم جان ستر سالہ بزرگ خاتون ہیں جو اپنی ایک اپاہج پوتی سمیت تین بچوں کے ساتھ اس عارضی شیلٹر میں رہتی ہیں۔بیگم جان نے کہا کہ ان کے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے انھیں کوئی پلاٹ بھی نہیں دیا گیا لوگ گھر میں آ کر مدد کر دیتے ہیں ورنہ وہ خود باہر نہیں جا سکتیں۔بالاکوٹ کے اسسٹنٹ کمشنر بالاکوٹ شاہد محمود کہتے ہیں کہ اب کچھ عرصے سے بالاکوٹ شہر میں کچھ کام شروع ہوا ہے وگرنہ دس سالوں میں تو یہاں کوئی کام ہوا ہی نہیں تھا۔مقامی صحافی ڈاکٹر فرید کہتے ہیں کہ یہاں اربوں روپے کے فنڈز جاری ہوئے لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ان کا کہنا تھا کہ لگ بھگ 22 ارب روپے ایرا کو زمین اور 14 ارب روپے تعمیرات کے لیے دیے گئے لیکن کچھ کام نہیں ہوا کوئی پانچ ہزار دو سو سے زیادہ افراد کو جنھیں پلاٹ کے کاغذات جاری کرنے تھے وہ کام بھی نہیں ہو سکا۔ان کا کہنا تھا کہ یہ ضرور ہوا ہے کہ کچھ پہلے سے تیار شدہ مکان اور سکول ضرور بنے ہیں۔بالاکوٹ شہر میں زلزلے سے بچاؤ کی تعمیرات تو دور کی بات یہاں دس سالوں میں کوئی ترقیاتی کام نہیں ہو سکے۔ان کا کہنا تھا کہ اب ایسے اجلاس ہو رہے ہیں اور صوبائی حکومت اب لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے کوششیں کر رہی ہے اور انھیں یقین ہے کہ بہت جلد یہ مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن اس وقت ان کے کام رک جاتے ہیں جب لوگ عدالتوں سے رجوع کر لیتے ہیں۔نیو بالاکوٹ سٹی یا بکریال آٹھ سو کنال پر محیط علاقہ ہے۔جہاں پانچ سیکٹر قائم کیے گئے ہیں۔یہاں دو سیکٹروں میں تو کچھ ترقیاتی کام ہوئے ہیں لیکن تین سیکٹروں میں کوئی کام نہیں ہوا۔فنڈز بھی لگائے گئے اور پھر کام بند کر دیا گیا۔اس ٹاؤن میں مشینری خراب پڑی ہے اور جو کام ہوا تھا وہ بھی ضائع ہو گیا ہے۔پرانے بالاکوٹ شہر میں زلزلے سے تباہی کے آثار اب بھی نمایاں ہیں۔ان دس سالوں میں لوگوں کے لیے نہ پرانا شہر بسا اور نہ ہی نیا بالاکوٹ بن سکا۔

(بی بی سی اردو)

قبائلی رہنما دو بیٹوں سمیت قتل

فاٹا 15 اکتوبر کو جنوبی وزیرستان ایجنسی وانا میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے قبائلی رہنماء دو بیٹوں سمیت جاں بحق ہو گئے۔سب ڈویژن وانا میں 15 اکتوبر کی صبح 8 بجے کے قریب قبائلی ملک مثال خان وزیر اپنی گاڑی میں دو بیٹوں کے ہمراہ تحصیل بیرمل کے گاؤں گنگی خیل سے وانا بازار آ رہے تھے، کہ وانا اعظم ورسک روڈ پر نامعلوم مسلح کار سواروں نے ان کی گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ کر دی، جس کے نتیجے میں ملک مثال خان شدید زخمی جبکہ ان کے دو بیٹے واجد خان اور سید کلام موقع پر جاں بحق ہو گئے، ملک مثال خان گنگی خیل کو فوری طور پر مقامی لوگوں نے طبی مدد کے لئے ایجنسی ہیڈ کوارٹر اسپتال وانا پہنچایا، جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ذرائع کے مطابق حملہ آور جائے وقوعہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، پولیٹیکل انتظامیہ نے واقع کی تصدیق کر دی۔علاقے میں حکومت کے حامی عسکریت پسند ملا نذیر گروپ کے طالبان کھلے عام پھر رہے ہیں، جس کی وجہ سے عام شہریوں کی جان و مال محفوظ نہیں۔اس واقعہ سے قبل بھی متعدد ٹارگٹ کلنگ جیسے واقعات رونماء ہو چکے ہیں، جس کے خلاف پولیٹیکل انتظامیہ کی کارروائیاں ایف سی آر کے تحت بے گناہ قبائلیوں کی گرفتاری اور ان پر بھاری جرمانے عائد کرنے تک محدود ہیں۔ (ارشاد احمد)

پاکستان میں سول......ملٹری تعلقات نوآبادیاتی نظام کی عکاسی کرتے ہیں

ڈاکٹر مبشر حسن

پاکستان میں کوئی بھی سول یا فوجی حکومت، الگ یا مشترکہ طور پر، زندگی اور جائیداد کے تحفظ کی ضمانت دینے، مجرموں کو معین طریقہ کار کے تحت گرفتار کرنے، قانون کی حکمرانی قائم کرنے، دفاعی اخراجات ادا کرنے یا ایک طویل عرصے تک محصولات اکٹھا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ پاکستان حکمرانی کے قابل نہیں رہا۔ مطلوبہ سیاسی ذرائع کے بغیر سول یا فوجی طاقت کے استعمال کے ذریعے بڑھتی ہوئی انارکی کی موجودہ صورتحال کے تدارک کی کوئی بھی کوشش ناکام ثابت ہوگی۔

آیئے ہم اس بات کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں کہ یہ صورتحال کس قدر نازک ہو چکی ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے۔

ملکہ وکٹوریا نے اپنے ہندوستان پر حکومت کرنے کے منصوبے کا نفاذ گورنمنٹ ایکٹ آف انڈیا 1858 کے ذریعے کیا۔ تمام بڑے قوانین جو پاکستان میں اب بھی نافذ ہیں، وہ گزشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی میں ترتیب دیے گئے تھے تاکہ تاج خواہش کی تکمیل کی جاسکے جس کا اظہار ان قوانین میں کیا گیا تھا۔ ان قوانین میں کورٹس ایکٹ، ضابطہ فوجداری، ضابطہ دیوانی، پولیس ایکٹ، ضابطہ تعزیرات، محصولات سے متعلق قوانین اور دیگر کئی قوانین شامل تھے۔ ملکہ کی سکیم کا یہ گمان تھا، جیسا کہ ان دنوں ایک مروجہ روایت تھی، کہ حکمرانوں کا کام حکومت کرنا اور عوام کا کام ان کی اطاعت کرنا تھا، کیونکہ حکمرانوں کا مقصد عوام کی فلاح تھا۔ منتخب نمائندوں یا کسی اور آئینی شق کے ذریعے عوام کی خواہش معلوم کرنے یا ان کی رضامندی حاصل کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انٹیلی جنس ایجنسیاں اور انتظامیہ کے افسران حکومت کے کارخاص تھے۔ ڈپٹی کمشنر اپنے ضلع کا نہ صرف سیاسی بلکہ انتظامی سربراہ بھی تھا۔ کمشنر اور گورنر دونوں کو ہی اس ضلعی مجسٹریٹ کے انتظامی اختیارات حاصل نہیں تھے جو ضرورت پڑنے پر قریبی گیریزن کے کرنل کی مدد لے سکتا تھا۔ نظام حکومت مقامی سطح پر تاج کے ملازمین ہی چلاتے تھے۔

استعماری حکمرانوں نے 1858ء کے بعد برصغیر پر پچاس سال تک کامیابی سے حکومت کی اور اس کا استحصال کیا۔ مشکلات اس صدی کے شروع میں سامنے آنا شروع ہوئیں۔ ہندوستان کے عوام انظم ونسق کے عمل میں شامل کرنے اور انہیں تاج کے ملازمین کے ساتھ منسلک کرنے کی ضرورت کا اظہار گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1909ء اور 1919ء میں کیا گیا۔ تاہم، ان دونوں ایکٹ اور 1935ء کے ایکٹ میں حتمی اختیارات تاج کو ہی حاصل تھے جن کا استعمال اس کے تنخواہ یافتہ ملازمین کرتے تھے۔ مجھے مشہور شاعر حالی کی سویں سالگرہ کی تقریب اچھی طرح یاد ہے جو پانی پت میں 1935ء میں منعقد ہوئی۔ مہمانوں میں ریاست حیدرآباد کے وزیراعظم سر اکبر حیدری، سر محمد (علامہ) اقبال، سر روز مسعود اور برصغیر کی دیگر نامور شخصیات شامل تھیں۔ مہمانوں کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کے موقع پر علاقے کے ڈپٹی کمشنر نے مہمان خصوصی کے ساتھ بیٹھنے پر اصرار کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ تاج کی نمائندگی کرتے تھے۔ مہمانوں کو دستبردار ہونا پڑا۔

1858ء کے ایکٹ کے ذریعے ملکہ کے متعدد سیکریٹریز آف سٹیٹ میں سے ایک کے تحت سول سروسز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تاہم، ''بحری اور فوجی کیڈٹ شپ سے متعلق تمام تقرریوں کے اختیارات ہر میجسٹی کو حاصل تھے''۔ برطانوی دور حکومت میں ہندوستان کے نظم ونسق میں فوج کی اپنی ذات میں ایک خودمختار ادارہ تھا۔ سول انتظامیہ فوج کے ماتحت نہیں تھی اور اس کے باوجود فوج پر سول حکومت کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس صدی کے اوائل میں ہندوستان کے کمانڈر ان چیف جنرل کچنر اور ہندوستان کے مشہور گورنر جنرلز میں سے ایک لارڈ کرزن کے درمیان دفاعی افواج کے بجٹ کے طریقہ کار پر اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس معاملے کو لندن کے سپرد کیا گیا جس نے کچنر کے حق میں فیصلہ دیا۔ لندن اس بات کو کرزن سے زیادہ بہتر سمجھتا تھا کہ فوج ہندوستان میں نظم ونسق کی نوآبادیاتی تشکیل کا برتر حصہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس واقعے کے بعد کرزن مستعفی ہو گئے۔ گزشتہ صدی کی چالیس کی دہائی کے شروع میں کمانڈر ان چیف اور گورنر جنرل نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس پالیسی کو ناکام بنانے کی سازش کی کہ پنجاب کی سرحد پر مزید محاذ نہ کھولے جائیں۔ لیکن گورنر جنرل فیصلہ کر چکے تھے۔ اس نے رضامندی ظاہر کرنے والے گورنر جنرل (ایک سابق لیفٹیننٹ جنرل جو ریزروز میں تھا) کو ڈیوٹی پر بلایا، اسے اپنی کمانڈ میں رکھا اور دونوں نے ایک کیولری کے ساتھ حملہ کر کے پنجاب کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔ تقریباً 130 سال بعد گورنر جنرل کے ایک دوست کی دستاویزات میں سے لندن میں کمپنی کی اعلیٰ قیادت کے نام لکھا گیا ایک خط برآمد ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ کمانڈر ان چیف کے شدید دباؤ کے تحت اس کارروائی میں شامل ہوئے تھے۔ یہ خط حکام کو صرف اس صورت میں ارسال کیا جانا تھا کہ جب پنجاب پر حملہ کامیاب نہ ہوتا۔

اس صدی کی پانچویں دہائی میں جب برصغیر میں سلطنت برطانیہ انتہائی کمزور ہو چکی تھی اور ہندوستان پر طاقت کے استعمال کے ذریعے تسلط قائم رکھنے کے لئے سول اور فوجی تعاون کی اشد ضرورت تھی، وزیراعظم ونسٹن چرچل نے گورنر جنرل آف انڈیا کے عہدے پر ایک فوجی شخصیت جنرل ویول کو تعینات کرنا ضروری سمجھا۔ تاہم ہندوستان کے موضوع کی پیچیدگی کی وجہ سے اس انتظام کے مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ وزیراعظم ایٹلی ایک اور فوجی شخصیت، ملکہ وکٹوریا کے نواسے کو بھیجنا ضروری سمجھا تاکہ ہندوستان سے برطانویوں کی فوری واپسی کو یقینی بنایا جاسکے۔ اس صدی میں برطانویوں کے لئے ہندوستان پر حکومت کرنا ایک بڑا مسئلہ بن چکا تھا اور ان کی نوآبادیاتی حکومت کو سول اور فوجی اسٹیبلشمنٹ کے درمیان قریبی تعاون کی ضرورت تھی۔

سول حکومت کے کچھ مسائل کے حل کے لئے فوج کو

> بدقسمتی سے پاکستان کا حکمران طبقہ، سول یا فوجی، منتخب یا غیر منتخب شدہ، نوآبادیاتی نظام حکومت کے اصل بحران کو پہچاننے میں ناکام رہا ہے۔ گزشتہ دس سالوں کے دوران منتخب ہونے والے وزرائے اعظم، وزرائے اعلیٰ اور وزراء، اور حکومتوں کے مشیر، مسلح افواج کے چیف آف سٹاف، اعلیٰ عدلیہ کے اراکین اور منتخب حکومتوں کے لئے خدمات انجام دینے والے انٹیلی ایجنسیوں کے سربراہان پاکستان کی آبادی کے کسی ایک حصے کی نشاندہی کریں جو پولیس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہو اور اس کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو۔ کیا وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ عوام مجرم کو پکڑنے یا جرم کو روکنے میں پولیس کی مدد کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، اور یہ کہ عوام پولیس سے بددل ہو چکے ہیں۔ کوئی بھی حکومت زندگی اور جائیداد کے تحفظ کو کیسے یقینی بنا سکتی ہے کہ جب پولیس ایک طرف ہو اور عوام دوسری طرف۔

اپنے ساتھ شامل کرنے کے حوالے سے نواز شریف کے اقدامات گزشتہ 150 سالہ روایت کے عین مطابق ہیں۔ تقسیم کے بعد سے سول حکام، انتظامیہ اور فوج کے اتحاد نے پاکستان پر حکومت کرنے کے لئے نظم و نسق کی نوآبادیات سکیم کے تحت اس روایت کو قانون تحفظ فراہم کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل تعاون کیا ہے۔ جمہوریت، بنیادی جمہوریت، مارشل لاء سمیت تمام ذرائع استعمال کرنے کے باوجود سیکیورٹی اور ترقی کے حوالے سے کوئی بہتری نہیں آئی۔ درجنوں آئینی تبدیلیاں، متعدد وزرائے اعظم اور وزرائے اعلیٰ، خاص طور پر چنے گئے اراکین عدلیہ اور ماہر قومی اور صوبائی اسمبلیاں غیر موثر ثابت ہوئی ہیں۔ 1954ء میں گورنر جنرل غلام محمد اور جنرل ایوب خان کے درمیان پہلے اشتراک کے بعد سے صورتحال بد سے بدتر ہوتی گئی ہے۔ 1971 میں ملک دولخت ہو گیا اور اسے ایک اور تبدیلی، ایک اور تباہی کا سامنا ہے۔

بدقسمتی سے پاکستان کا حکمران طبقہ، سول یا فوجی، منتخب یا غیر منتخب شدہ، نوآبادیاتی نظام حکومت کے اصل بحران کو پہچاننے میں ناکام رہا ہے۔ گزشتہ دس سالوں کے دوران منتخب ہونے والے وزرائے اعظم، وزرائے اعلیٰ اور وزراء، اور حکومتوں کے مشیر، مسلح افواج کے چیف آف سٹاف، اعلیٰ عدلیہ کے اراکین اور منتخب حکومتوں کے لئے خدمات انجام دینے والے انٹیلی ایجنسیوں کے سربراہان پاکستان کی آبادی کے کسی ایک حصے کی نشاندہی کریں جو پولیس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہو اور اس کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو۔ کیا وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ عوام مجرم کو پکڑنے یا جرم کو روکنے میں پولیس کی مدد کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، اور یہ کہ عوام پولیس سے بدل ہو چکے ہیں۔ کوئی بھی حکومت زندگی اور جائیداد کے تحفظ کو کیسے یقینی بنا سکتی ہے کہ جب پولیس ایک طرف ہو اور عوام دوسری طرف۔

اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ پاکستان کے لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ عدالتیں انصاف فراہم کرتی ہیں۔ پاکستان کی اعلیٰ ترین عدلیہ پر غنڈوں نے حملہ کیا جنہوں نے گالی گلوچ کی اور ججوں کو اپنے عہدے چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اس واردات کے زیادہ تر حصے کی فلم بندی ہوئی اور یہ پریس میں بھی رپورٹ ہوا اور اس کے باوجود ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو توہین عدالت کا الزام ثابت کرنے کے لئے عدالت کے سامنے گواہی دے سکے۔ لوگ عام طور پر کسی مجرم کو کسی عدالت سے سزا دلوانے کے لئے فریق بننے سے انکار کرتے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمارے نظام پولیس اور فوجداری عدالتیں جس بات کو جرم قرار دیتے ہیں عوام اسے جرم نہیں سمجھتے؟ عوام اس شخص کا ساتھ دیتے ہیں جسے نظام نے مجرم قرار دیا ہو۔ دوسرے الفاظ میں پاکستان کے عوام نظام انصاف پر بہت کم یقین رکھتے ہیں۔ جب عوام کو فوجداری عدالتوں اور عدلیہ پر اعتماد نہ ہو تو حکومت کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟

پاکستان میں کوئی بھی شخص ٹیکس اور دیگر سرکاری محصولات ادا کرنا نہیں چاہتا۔ کسی بھی ملک کے لوگ بخوشی ٹیکس ادا نہیں کرتے، جبکہ پاکستان میں کوئی بھی شخص ٹیکس اور محصولات اکٹھا ہی نہیں کرنا چاہتا۔ ٹیکس اکٹھا کرنے والے اداروں نے ٹیکس ادا نہ کرنے والوں اور ٹیکس نادہندگان کی مدد کرتے ہیں اور وہ پوچھتے ہیں،'' کیوں نہیں؟'' اکٹھی کی گئی رقم ویسے بھی فضول خرچیوں میں اڑا دی جائے گی۔ اسے حکومتی خزانے میں بھیجنے سے بہتر ہے کہ اسے ٹیکس گزار اور ٹیکس محصول کنندہ کی جیب میں ہی رہنے دیا جائے۔ عوام بینکوں یا سرکاری مالیاتی اداروں سے قرض کے طور پر لی گئی رقم واپس کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ پاکستان نے اپنے بینکوں کو دیوالیہ بنا دیا ہے۔ قرضداروں کے ذمے ملک کے مالیاتی اداروں کے اربوں روپے واجب الادا ہیں۔ بینکاری کا نظام ناکارہ ہو چکا ہے اور اس کے نتیجے میں ہزاروں فیکٹریاں بند ہو چکی ہیں۔

پاکستان میں کتنے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ سرکاری املاک عوام کی امانت ہیں۔ ہم میں سے زیادہ تر، اگر ممکن ہو تو، سرکاری زمین پر قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے ہجوم جب چاہے سرکاری گاڑیوں پر حملے کریں گے، ٹریفک لائٹس توڑ پھوڑ دیں گے، تھانوں کو آگ لگا دیں گے۔ وہ جن چیزوں پر اپنے غصے کا اظہار کرتے ہیں انہیں غیر ملکی املاک سمجھتے ہیں۔ سرکاری ملازمین اور دیگر لوگ دفاتر سے اسٹیشنری، گاڑیوں سے ایندھن، معاہدوں میں سے رقم، جنگلات سے لکڑی اور سرکاری گوداموں سے ذخیرہ شدہ اشیاء چوری کرتے ہیں۔

اب حکمرانوں-- قانون سازوں، امیر اور طاقتور اور ان کے ساتھیوں کی بات کرتے ہیں جنہوں نے ریاستی طاقت کا استعمال کیا ہے اور بے شمار دولت جمع کی ہے اور جو پچھلے دور کے عظیم مغل حکمرانوں والا طرز زندگی اپنائے ہوئے ہیں۔ کیا وہ مثالی شہری ہیں؟ اشرافیہ کی طرح وہ بھی اپنے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرنے اور انہیں برقرار رکھنے کی ذمہ داری سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ وہ ہر شام الکوحل پیتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ قانون میں شراب نوشی منع ہے اور وہ اس قانون میں تبدیلی کے لئے اپنی آواز بلند نہیں کرتے۔ ان کی پجیرو اور مرسڈیز سرخ بتیوں کو کاٹ کر گزر جاتی ہیں کہ جیسے ٹریفک سگنل کسی اور مخلوق کے لئے بنے ہوں۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ جیسے وہ خود ہی قانون ہوں۔ وہ جو کچھ بھی بچاتے ہیں یا چوری کرتے ہیں اسے فوری طور پر بیرون ملک منتقل کر دیتے ہیں۔ وہ دوہری شہریتیں حاصل کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو پاکستان نہ آنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ انہیں ریاست یا ملک پر بہت کم اعتماد ہے۔

پاکستان کو نظم و نسق کے حوالے سے ایک انتہائی مضحکہ خیز اور نامعقول صورتحال کا سامنا ہے۔ عوام نے ریاست کو ہیک کرنے اور اسے سبوتاژ کرنے کے لئے اپنے عدم تعاون کے پرانے آزمودہ ہتھیار کو کامیابی سے استعمال کیا ہے۔ درحقیقت انہوں نے اپنے اس قدیم ہتھیار کو اور بہتر بنا لیا ہے۔ اب وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہیکروں، لٹیروں اور تخریب کاروں کو منتخب کرتے ہیں۔ حکمران غیر شعوری طور پر لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ پاکستانی عوام نے ریاست کے نوآبادیاتی ڈھانچے کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ انہوں نے پرانے جابرانہ اور استحصالی نظام کو بچانے کے لئے ملکی اور غیر ملکی ذاتی مفادات کے حصول کی کوششوں کو کامیابی سے ناکام بنا دیا ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنا غروب آفتاب کے کئی گھنٹوں بعد اس بات کو ماننے سے انکار کرنے جیسا ہے کہ رات ہو چکی ہے۔

بات سیدھی سی ہے۔ لوگ نوآبادیاتی ریاست اور اس کے اداروں سے نجات چاہتے ہیں۔ وہ ایک ایسی پولیس چاہتے ہیں جسے وہ اپنا سمجھ سکیں۔ وہ کسی مبینہ جرم کی رپورٹنگ اور تحقیقات کا ایک ایسا نظام چاہتے ہیں جو عملی اور معتبر ہو۔ وہ مقدمہ سازی اور عدالتی فیصلوں کا ایک ایسا نظام چاہتے ہیں جو شفاف ہو اور جس کا وہ نچلی سطح پر حصہ ہوں۔ عوام محصولات سے متعلق ان قوانین کا خاتمہ چاہتے ہیں جو برطانویوں نے بنائے تھے تاکہ وہ جاگیرداروں کی مدد سے نوآبادیات حکومت قائم کر سکیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ زرعی اراضی، حدود کا تعین، ملکیت کے تنازعات کا تصفیہ، کاشت کاری کے حقوق، اور محصولات کی وصولی جیسے مسائل کا فیصلہ مقامی سطح پر ان کے نمائندوں کی نگرانی میں کیا جائے۔ وہ ٹیکس اس وقت ادا کریں گے جب مقامی دولت پر ان کا اختیار ہو۔

لوگ مرکزیت کا خاتمہ اور سیاسی، سماجی، معاشی، انتظامی، عدالتی اور قانون سازی کے اختیارات کی منتقلی چاہتے ہیں۔ ہمیں ضروری تبدیلیوں میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں ناقابل عمل کام پر کام کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔

(1999 میں شائع ہونے والے ایک مضمون کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ)

ہندوؤں کے قبرستان پر قبضہ

بدین بدین کے علاقے کڑیوگھنور پولیس اسٹیشن کی حدود میں دیھہ گھٹو میں واقعہ ہندوؤں قبرستان پر مقامی زمیندار نے قبضہ کی کوشش کی اور کاشت کے لئے ٹریکٹر کے ذریعے زمین کو ہموار کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں 300 قبریں مسمار ہوگئیں۔ قبروں کی بے حرمتی کے خلاف ہندو برادری نے احتجاج کیا اور بدین، ٹھٹھہ روڈ بند کردی۔ ہندو برادری کے سیوجی کولہی اور دیرو کولہی نے بتایا کہ یہ قبرستان 14 ایکڑ پر مشتمل ہے اور گزشتہ ایک صدی سے ان کے بزرگ یہاں دفن ہیں۔ مگر اب ایک زمیندار اعجاز اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ انہوں نے مقدمہ درج کروایا ہے مگر تا حال کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔ پولیس پوسٹ انچارج رضا ملا نے بتایا کہ ہندوؤں کے قبرستان پر قبضہ کرنے اور قبریں مسمار کرنے پر چار افراد کے خلاف مقدمہ درج کرلیا ہے جنہیں جلد گرفتار کرلیا جائے گا۔ جبکہ ہندو برادری کے رہنماؤں کا کہنا تھا کہ سندھ میں ان کے قبرستانوں اور عبادت گاہوں پر آئے روز حملوں اور قبضوں کی اطلاعات منظر عام پر آئی ہیں مگر انتظامیہ مجرموں کے خلاف قانونی کارروائی کے لیے خاطر خواہ اقدامات نہیں کررہی۔

(نامہ نگار)

اقلیتی نمائندوں کے بالواسطہ انتخاب سے متعلق ترمیم واپس لی جائے

لاہور 5 اکتوبر 2015ء کو کلیسیائی قیادت اور دیگر اقلیتی برادریوں نے پنجاب لوکل گورنمنٹ آرڈیننس میں ترمیم کو واپس لینے کا مطالبہ کیا۔ ان کا موقف تھا کہ اس ترمیم کے ذریعے یونین کونسل کی سطح پر انہیں اپنے نمائندوں کا انتخاب کرنے کے حق سے محروم کردیا گیا ہے۔ انہوں نے اتفاق رائے سے اعلان کیا کہ اگر یہ آرڈیننس واپس نہیں لیا گیا تو اقلیتیں صوبہ بھر میں احتجاج کا راستہ اپنائیں گی۔

مذہبی اقلیتوں کی طرف سے تحفظات کے اظہار رائے اور احتجاج کے باوجود حکومت پنجاب نے 7 اکتوبر 2015ء کو کثرت رائے سے جمہوریت کی روح کے برخلاف پنجاب لوکل گورنمنٹ ایکٹ میں ترمیم منظور کرلی ہے۔ قومی کمیشن برائے امن وانصاف کو اس پر شدید تحفظات ہیں۔ اس ایکٹ پر عملدرآمد کے ذریعے اقلیتی نمائندوں بالواسطہ انتخاب کے باعث مذہبی اقلیتوں کی سیاسی تربیت اور ان کے سیاسی حقوق متاثر ہوں گے۔ حکومت پنجاب نے اس ضمن میں اقلیتی برادریوں کو اعتماد میں نہیں لیا اور نہ ہی ان کے تحفظات کا ازالہ کیا گیا ہے جو مذہبی اقلیتوں کے ضمن میں بجائے خود حکومت پنجاب کی ایک غیر جمہوری اور متعصّبانہ طرز فکر کا اظہار کیا ہے۔

جمہوری انتظام کی منزل عوام بالخصوص معاشرے کے کمزور طبقات کو بااختیار بنانا ہے تاہم پنجاب حکومت کی جانب سے جاری کردہ پنجاب لوکل گورنمنٹ (ترمیم) آرڈیننس کے ذریعے کمزور طبقات (بالخصوص مذہبی اقلیتیں جو پہلے ہی پست حال اور کمزور برادریاں ہیں) کو مزید کمزور اور طاقتور طبقات کو مضبوط بنانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

قومی کمیشن برائے وانصاف، پاکستان کاتھولک بشپس کانفرنس کے زیر انتظام انسانی حقوق کی تنظیم ہے۔ جس کے نزدیک یونین کونسل کی سطح پر موجود بالواسطہ انتخاب پر عملدرآمد مذہبی اقلیتوں کی سیاسی بلوغت اور نشو دنما میں رکاوٹ کا باعث بنے گا۔ اپنی یونین کونسل کے حلقہ میں انتخابی عمل میں شرکت مستقبل میں ان کے لیے معاشرے میں سماجی وسیاسی قبولیت کی گنجائش کا باعث بنتی جو کثرتیت، تنوع اور بقائے کے اصول پر معاشرتی ہم آہنگی کی صورت دکھائی دیتی۔

قومی کمیشن کے چیئرپرسن تقدس مآب بشپ جوزف ارشد، نیشنل ڈائریکٹر فادر عمانوئیل یوسف مانی اور ایگزیکٹو ڈائریکٹر سیسل شین چوہدری نے ایک مشترکہ بیان میں اس ترمیم کو امتیازی اور سیاسی عصبیت پر مبنی قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس انتظام میں ہمارے ووٹرز کو اپنی پسند کے امیدوار کے چناؤ کا حق نہیں ہوگا۔ چنانچہ ہم پنجاب حکومت سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے مذہبی اقلیتوں کی موثر شرکت کو یقینی بنانے کے لئے لوکل گورنمنٹ ایکٹ میں ضروری ترمیم کرے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قومی کمیشن مذہبی اقلیتی قیادت کے ساتھ یکجہتی کے اظہار کے لیے مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے حصول کے لیے ملک بھر میں اس مہم میں بھرپور شرکت کرے گا۔

(قومی کمیشن برائے امن وانصاف)

اقلیتی افراد سے مذہبی امتیازی سلوک ختم کیا جائے

لاہور پاکستان ایک کثیر المذاہب اور کثیر الثقافت معاشرہ ہے چنانچہ اس کی آبادی صنفی بنیاد کے علاوہ مذہب اور فرقہ جات میں تقسیم ہے۔ ملک میں تین فیصد غیر مسلم شہریوں کو مذہب کی بنیاد پر ادارہ جاتی امتیاز کا سامنا ہے۔ پاکستان میں تعلیم، صحت، دفاع، انسانی حقوق، شوبز اور ترقیاتی شعبہ جات میں غیر مسلم شہریوں نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ غیر مسلم برادریوں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان نسل ہر سطح کی سرکاری اسامیوں کے حصول کے لیے مقابلے کے لئے تیار ہے۔ سروسز اینڈ جنرل ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ پنجاب کے جاری کردہ نوٹیفکیشن میں تمام سرکاری اسامیوں کے اشتہارات میں متعلقہ کوٹا کے واضح کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ سماجی انصاف کے اصول کی پیروی کرتے ہوئے کوٹا سسٹم کے تحت تمام سرکاری اسامیوں کے لیے غیر مسلم افراد کے لیے پانچ فیصد کوٹا مختص کیا گیا ہے۔ تاہم مشاہدہ ہے کہ سرکاری اسامیوں کی بھرتی کے لیے نچلے درجے کی اسامیوں کے لیے دیا گیا اشتہار ہے۔ اشتہار کے مطابق خاکروب (سینیٹری ورکر) BS-1 کی آسامیوں کے لیے صرف غیر مسلم افراد اہل ہیں جبکہ بی ایس ون کی دیگر اسامیوں مثلاً سکیورٹی گارڈ، وارڈ بوائے یا آیا کی آسامیوں کے لیے ایسی کسی شرط کا وجود نہیں۔ حکومت پاکستان نے 2030ء تک عالمی پائیدار ترقی اہداف (Sustainable development goals 2015) کے عزم کا اظہار کیا ہے جس کے اہداف نمبر 8 اور 10 کے مطابق ہر فرد کو مساوی طور پر باعزت روزگار مہیا کیا جائے گا۔ مذکورہ بالا اشتہار میں نچلے درجے کی اسامیوں کو مذہبی اقلیتوں کے لئے مخصوص کرنا ایک طرف مذہبی اقلیتی افراد کے ساتھ صریحاً مذہبی امتیاز ہے تو دوسری طرف مسلمان شہریوں کو اس پر درخواست دینے سے منع کرتے ہوئے مساوی مواقع مہیا کرنے کے اصول سے انحراف اور مذہبی امتیاز پر مبنی پالیسی کا اظہار ہے۔ قومی کمیشن برائے امن وانصاف مطالبہ کرتا ہے کہ متعلقہ ادارہ اور مجاز حکام مذکورہ بالا اشتہار کو ایک معذرتی بیان کے ساتھ دوبارہ جاری کرے علاوہ ازیں وزیر اعلیٰ اس صورتحال کا نوٹس لیں۔ ہم مزید مطالبہ کرتے ہیں کہ اسامیوں پر بھرتی کی پالیسی پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس میں موجود مذہب کی بنیاد پر امتیازات دور کرتے ہوئے تمام شہریوں کو باعزت روزگار فراہم کرنے کو یقینی بنایا جائے جس پر عملدرآمد کرنے کے عزم کا اظہار پاکستان نے عالمی فورم پر رکھا ہے۔

(فادر عمانوئیل یوسف، نیشنل ڈائریکٹر، این سی پی جے، سیسل شین چوہدری، ایگزیکٹو ڈائریکٹر، این سی پی جے)

صحت

25ہزار والدین کا بچوں کو پولیو قطرے پلانے سے انکار

پشاور خیبر پختونخوا میں حال ہی میں کو ختم ہونے والی تین روزہ پولیو مہم کے دوران 25ہزار سے زائد والدین نے اپنے بچوں کو پولیو قطرے پلانے سے انکار کیا۔ ای پی آئی انچارج رحیم خٹک نے بتایا کہ صوبے کے 19 اضلاع میں 25ہزار 800 والدین نے پولیو رضا کاروں سے تعاون کرنے سے انکار کیا۔ خٹک کے مطابق سخت سیکیورٹی میں شروع ہونے والی اس مہم کے دوران کل 42لاکھ بچوں کو قطرے پلائے گئے مگر گھروں پر غیر موجودگی کی وجہ سے دو لاکھ بچے پولیو ویکسین سے محروم رہے۔ رواں سال پاکستان میں اب تک پولیو کے 32 کیس سامنے آچکے ہیں، جن میں سے آخری دو خیبر ایجنسی میں ریکارڈ ہوئے۔

(نامہ نگار)

پنجاب اور کراچی میں رواں سال کا پہلا پولیو کیس

اسلام آباد پاکستان حکومت کی جانب سے شہریوں پر موجود بین الاقوامی سفری پابندی کے اختتام کے لئے اقدامات تیز تر ہونے کے باوجود ملک میں ہر گزرتے دن کے ساتھ پولیو کیسز میں اضافہ دیکھا جا رہا ہے جبکہ رواں سال میں پہلی بار پنجاب اور کراچی کے دو بچوں میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوگئی ہے۔ مذکورہ دونوں کیسز کے اضافے سے رواں سال ملک بھر سے اب تک پولیو کیسز کی مجموعی تعداد 38 ہوگئی ہے۔ پنجاب کے ضلع چکوال میں چواسیدن شاہ کے علاقے میں رواں سال کا پہلا پولیو کیس رپورٹ ہوا ہے جبکہ کراچی کے علاقے شفیق کالونی سے پویو کا ایک کیس رپورٹ کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ کراچی میں گزشتہ سال اکتوبر سے پولیو کا ایک بھی کیس سامنے نہیں آیا تھا۔ حکام کے مطابق چکوال میں ایک 6 سالہ بچے جبکہ کراچی کی شفیق کالونی کی رہائشی 18 ماہ کی بچی میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوئی ہے۔ پولیو کے لئے قائم ایمرجنسی آپریشن سینٹر کے سربراہ ڈاکٹر رانا صفدر نے بتایا ہے کہ چکوال میں پولیو سے متاثرہ رہائشی بچے کو 10 بار انسداد پولیو ویکسین پلائی گئی تھی، جس کے باوجود یہ بچہ پولیو کے مرض کا شکار ہوا۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

15 بچوں میں پولیو وائرس کی تصدیق

خیبر پختونخوا خیبر پختونخوا میں رواں سال کے دوران اب تک 15 بچوں میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوئی ہے اور سب سے زیادہ بچے پشاور میں متاثر ہوئے ہیں۔ پاکستان کے قبائلی علاقوں اور خیبر پختونخوا میں سنیچر سے انسداد پولیو مہم آغاز ہو گیا ہے جس میں 42 لاکھ سے زائد بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلائے جائیں گے۔ فاٹا اور خیبر پختونخوا سے رواں سال اب تک 26 بچوں میں پولیو وائرس کی تصدیق ہو چکی ہے جو گذشتہ سال کی نسبت کم ہے۔ خیبر پختونخوا میں پولیو میں 75 فیصد کمی۔ اس مہم کے دوران خیبر پختونخوا کے 13 اضلاع میں موبائل اور موقعے پر موجود ٹیمیں تشکیل دی گئی ہیں۔ صوبے میں حکام نے 33 لاکھ کے لگ بھگ بچوں کو انسداد پولیو کے قطرے دینے کا حدف رکھا ہے اور اس کے لیے دس ہزار سے زیادہ ٹیمیں تشکیل دی گئی ہیں۔ ان ٹیموں میں بڑی تعداد موبائل ٹیموں کی ہے جو گھر گھر جا کر پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کو یہ قطرے پلائیں گی جبکہ اس کے علاوہ موقع پر موجود اور راستوں پر تعینات ٹیمیں بھی مہم کے دوران بچوں کو اس مرض سے بچاؤ کے قطرے دیں گی۔ اسی طرح قبائلی علاقوں میں بھی سنیچر سے چار روزہ انسداد پولیو مہم شروع کر دی گئی ہے جہاں حکام کے مطابق تقریباً ساڑھے نو لاکھ کے قریب بچوں کو انسداد پولیو کے قطرے دیے جائیں گے۔ فاٹا میں انسداد پولیو مہم کے ترجمان شعیب بابر نے بتایا کہ اس مہم کے لیے تین ہزار سے زیادہ ٹیمیں تشکیل دی گئی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ان ٹیموں کی حفاظت کے لیے انتظامات کیے گئے ہیں جیسے کہ ان کے ہمراہ فوج کے علاوہ پولیٹکل انتظامیہ نے بھی لیویز اور خاصہ دار فورس کے اہلکار تعینات کیے ہیں۔ شعیب بابر کے مطابق یہ ٹیمیں تمام قبائلی اور نیم قبائلی علاقوں میں جائیں گی جبکہ وہ علاقے جہاں انھیں رسائی حاصل نہیں ہے وہ رہ جائیں گے لیکن ان کے لیے راستوں میں ٹیمیں تشکیل دی گئی ہیں جو موجود رہیں گی۔ فاٹا میں اس سال اب تک 11 بچوں میں پولیو وائرس کی تصدیق ہو چکی ہے جبکہ گذشتہ سال قبائلی علاقوں سے 179 بچے اس وائرس سے متاثر ہوئے تھے۔ خیبر پختونخوا میں رواں سال اب تک 15 بچوں میں پولیو وائرس کی تصدیق ہوئی ہے اور سب سے زیادہ بچے پشاور میں متاثر ہوئے ہیں۔ ایسی اطلاعات ہیں کہ پشاور میں چند ایک مقامات پر نکاسی آب کے نالوں میں یہ وائرس پایا جاتا ہے۔ فاٹا اور خیبر پختونخوا میں جہاں ایک طرف اس وائرس سے بچے متاثر ہو رہے ہیں وہاں دوسری جانب انسداد پولیو مہم کے اراکین پر حملوں سے بھی اس مرض پر قابو نہیں پایا جا سکا۔

(نامہ نگار)

بچوں اور ماؤں کو غیر معیاری خوراک کی فراہمی

----- پاکستان میں 50 فیصد سے زائد ماؤں کی ہفتہ وار خوراک میں عالمی معیار سے 8.5 فیصد زائد جبکہ پانچ سال کی عمر کے بچوں کی خوراک میں 93 فیصد سیسہ موجود ہے۔ صحت کے عالمی ادارے ڈبلیو ایچ او کے مطابق ماں اور بچے کی ہفتہ وار خوراک میں سیسے کی موجودگی 15 مائیکروگرام فی کلوگرام باڈی ویٹ ہونی چاہیے۔ سیسہ ایک ایسی دھات ہے جو پیٹ میں جانے کی صورت میں ذہنی پسماندگی کی وجہ بنتی ہے۔ اس تحقیق کے سربراہ ڈاکٹر ظفر فاطمی کا کہنا ہے کہ ماں کے پیٹ سے لے کر پیدائش کے پانچ سالوں تک بچوں کی ذہنی نشو ونما ہوتی ہے۔ اگر اس عرصے میں سیسہ خون میں شامل ہو جائے تو ذہنی نشو ونما متاثر ہوتی ہے اور ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ اس تحقیق میں حاملہ خواتین، نوزائیدہ بچوں اور تین سال تک کی عمر کے بچوں کو شامل کیا گیا ہے۔ بچوں اور خواتین کی تین دنوں کی غذا اور پانی کو لیبارٹری میں لاکر ان کے ٹیسٹ کیے جاتے ہیں اس کے علاوہ گھر میں موجود دھول مٹی اور ہوا کے نمونے بھی لیے جاتے ہیں۔ بچوں اور خواتین کے بناؤ سنگھار میں سرمے کا استعمال ایک قدیم روایت ہے لیکن یہ خوبصورتی بچوں کی ذہانت کو متاثر کرنے کی وجہ بھی بن سکتی ہے محققین کا کہنا ہے کہ گھروں میں زیر استعمال برتن بھی جسم میں سیسہ جانے کی ایک وجہ بن سکتے ہیں۔ گھروں کی آرائش، کھلونوں، فرنیچر اور کھیل کے سامان میں بھی سیسے کا استعمال عام ہے جبکہ پاکستان سمیت کئی ممالک میں رنگ میں سیسے کے استعمال پر پابندی عائد ہو چکی ہے۔ بچوں کے امراض کی ماہر ڈاکٹر مبینہ آگبوٹ والا کہتی ہیں کہ سیسے کے بارے میں عام لوگ اور ڈاکٹروں کی اکثریت بھی لاعلم ہے۔ ان کے مطابق سیسے کی زیادتی آئی کیو لیول کے علاوہ خون کو متاثر کرتی ہے جس کی وجہ سے ہیموگلوبین لیول کم ہونے لگتے ہیں اور بچہ انیمیا کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان کا کہنا تھا اس صورتحال میں بھی ڈاکٹر سیسے کے اثرات کی طرف نہیں جاتے بلکہ آئرن کی کمی اور خوراک کو مدنظر رکھتے ہیں۔ جسم میں سیسے کی سطح اسی طرح بڑھتی رہے تو گردوں کو بھی متاثر کرتی ہے اور کبھی کبھار گردے خراب بھی ہو جاتے ہیں۔ ورلڈ فوڈ آرگنائزیشن اور ڈبلیو ایچ او کی ایک مشترکہ کمیٹی آئندہ سال خوراک میں سیسے کی مقدار کا دوبارہ تعین کرے گی، جس میں آغا خان فاؤنڈیشن کی یہ رپورٹ بھی مددگار ثابت ہوگی۔

(بی بی سی اردو)

انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس

ایچ آر سی پی نے ملک کے مختلف حصوں میں تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا

بالا کوٹ 22 تا 23 اگست 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام بالا کوٹ ضلع مانسہرہ میں تکثیری اقدار کے فروغ کے لئے دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔ ورکشاپ میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی۔ پروگرام کے آغاز میں سب شرکاء کا تعارف ہوا،اور ورکشاپ سے قبل شرکاء کا استعدادی جائزہ لیا گیا۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق نے اپنی کاوشوں کو ایک دستاویزی فلم کی شکل دی تا کہ دیکھنے والے آسانی سے ان کی کوششوں سے بار آور ہوسکیں،اس لیے ہم آواز اٹھاتے رہیں گے کے عنوان سے ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی جسے شرکاء نے کافی سراہا۔ ایک دستاویزی فلم ضمیر کی عینک دکھائی گئی جس میں اتحاد، اور اتفاق کی بات کی گئی، ضمیر پروری کی بات کی گئی، اور مذہبی ہم آہنگی اور رواداری کی بات کی گئی، تقسیم در تقسیم سے بچنے کی بات کی گئی۔ ہم انسان کے نام سے ایک اور دستاویزی فلم دکھائی گئی جس میں مذہبی ہم آہنگی اور بھائی چارے کا درس تھا۔

تحصیل کی سطح پر مسائل کا جائزہ:

محترمہ سائرہ نے مختصر طور پر تحصیل بالاکوٹ کے مسائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ 2008ء کے زلزلے کے بعد یہاں کافی مسائل نے جنم لیا ہے۔ ایک بڑا مسئلہ صحت کا ہے کیونکہ پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب لوگوں کو صحت کے کافی مسائل کا سامنا ہے۔ خاص طور پر زچہ بچہ سنٹرز کی بہت کمی ہے دور دراز علاقوں میں نہ سٹاف ہوتا ہے نہ دوائیاں دستیاب ہیں۔ یہ علاقہ شہر سے دور ہے اور تعلیمی سہولیات کی کمی ہے۔ تعلیم پر توجہ نہیں دی جاتی۔ بچیوں کی تعلیم پر بھی مناسب توجہ نہیں دی جاتی۔ سکول وکالج کی کمی ہے اور معیاری تعلیم بھی نہیں دی جاتی۔ عورتوں کو گھر میں رکھنے کو ترجیح دی جاتی ہے اور ان کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔ سڑکوں کی حالت بھی کافی خراب ہے۔ ایک پر فضا مقام ہونے کے باوجود یہاں کی سڑکوں پر توجہ نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے سیاحت کو فروغ نہیں ملتا اور لوگوں کو روزگار کے بھی بہت کم مواقع میسر آتے ہیں۔

انتہا پسندی و تعصب کے خاتمہ کے لیے سول سوسائٹی اور انسانی حقوق کے کارکنوں کا کردار

ندیم عباس

انسان فطری طور پر انتہا پسند اور متعصب نہیں ہوتا لیکن بعض دفعہ اس کے اردگرد کا نظام اسے انتہا پسندی اور تعصب کی طرف لے جاتا ہے۔ انتہا پسندی یہ ہے کہ میں اپنے کسی عمل یا سوچ کو دوسرے لوگوں پر اس طرح مسلط کروں کہ ان کو میرے اس عمل یا سوچ سے تکلیف ہو اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو۔ اگر ہم دیکھیں تو آجکل کے

> 2008ء کے زلزلے کے بعد یہاں کافی مسائل نے جنم لیا ہے۔ ایک بڑا مسئلہ صحت کا ہے کیونکہ پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب لوگوں کو صحت کے شدید مسائل کا سامنا ہے۔ خاص طور پر زچہ بچہ سنٹرز کی بہت کمی ہے دور دراز علاقوں میں نہ سٹاف ہوتا ہے نہ دوائیاں دستیاب ہیں۔ یہ علاقہ شہر سے دور ہے اور تعلیمی سہولیات کی کمی ہے۔ تعلیم پر توجہ نہیں دی جاتی۔ بچیوں کی تعلیم بالکل ہی توجہ نہیں دی جاتی۔ عورتوں کو گھر میں رکھنے کو ترجیح دی جاتی ہے اور ان کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔ سڑکوں کی حالت بھی کافی خراب ہے۔ ایک پر فضا مقام ہونے کے باوجود یہاں کی سڑکوں پر توجہ نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے سیاحت کو فروغ نہیں ملتا اور لوگوں کو روزگار کے بھی بہت کم مواقع میسر آتے ہیں۔

دور میں انتہا پسندی نے اس قدر جڑیں پکڑ لی ہیں کہ اس کی روک تھام مشکل لگتی ہے مگر بہتر لائحہ عمل اور کوشش سے اس پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں جو غیر سرکاری تنظیمیں اور دوسرے سول سوسائٹی کے ادارے ہیں وہ بہتر طور پر اس چیز کے خاتمے یا انسداد میں معاون ہوسکتے ہیں۔ ماضی میں اس حوالے سے جتنی بھی تحریکیں چلی ہیں وہ سول سوسائٹی یا اور دوسری تنظیموں نے چلائی ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی انسانی حقوق کے علمبردار یا کارکن ہیں وہ بھی اس چیز میں کافی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ لوگوں کو اپنے حقوق سے روشناس کروائیں اور جتنا ہوسکے انسانی حقوق کے تحفظ پر کام کریں اور انتہا پسندی اور تعصب کے خاتمے کے لیے لائحہ عمل تلاش کرکے انتہا پسندی کو روکنے کی کوششیں کریں تا کہ معاشرہ بگاڑ سے بچے اور امن کی صورتحال بہتر ہو۔

انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں ریاستی اداروں کا کردار

شیر افضل

کسی بھی ریاست میں امن واستحکام اور ترقی تب ہی ممکن ہے جب اس کے ادارے غیر جانبدار اور شفاف ہوں کیونکہ اگر ریاستی ادارے کمزور ہونگے تو مسائل جنم لیں گے۔ جتنے بھی ریاستی ادارے ہیں وہ ریاست کے زیر تسلط ہوتے ہیں اور پاکستان کے مذہب زدہ سیاسی عمل دخل نے اس نظام کو اور بھی انتہا پسندانہ بنا دیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اداروں کی اپنی ایک حیثیت بھی ہے جس کو ان اداروں میں کام کرنے والے لوگ نظرانداز کرتے ہیں اور وہ وہی کرتے ہیں جو وقتی طور پر حکومت کرنے والے ان کو کہتے ہیں۔ ہر ادارے میں عوام کا استحصال ہوتا ہے ان کو جائز حق بھی مشکل سے ملتا ہے۔ اس کی وجہ وہ انتہا پسندی ہے جو کہ اداراتی سطح پر ہوتی ہے۔ ملک کے ہر ادارے میں ایسے لوگ عموماً ہیں جو کہ انتہا پسند گروہوں کی مدد کرتے ہیں یا ان ہی کا حصہ ہوتے ہیں جسکی وجہ سے انتہا پسندی کو عمومی سطح پر فروغ ملتا ہے اور لوگ مشتعل ہوتے ہیں۔ ریاستی ادارے اگر اپنا کام ایمانداری سے کریں اور انتہا پسند تنظیموں کا ساتھ نہ دیں تو بہت حد تک انتہا پسندی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ریاستی اداروں کو اگر ان کی خود مختاری سے محروم نہ کیا جائے اور ان کو اپنے طریقے سے ٹھیک طرح سے کام کرنے دیا جائے تو کوئی بھی انتہا پسند کسی بھی ادارے کو غلط طرح سے استعمال نہیں کرسکتا۔ انتہا پسندی کا انسداد اسی طرح ممکن ہے۔

انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار

فضل کرم

انتہا پسندی ایسے روّیے کا نام ہے جو کہ بعض دفعہ انفرادی اور بعض دفعہ اجتماعی طور پر کسی فرد یا گروہ کی شکل میں ابھرتا ہے اور اس کے نتائج انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔ انتہا پسندی کی کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ انتہا پسند اس کے فروغ اور اپنے فوائد یا عزائم حاصل کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جاتے ہیں۔ ہم بات کریں گے میڈیا کے حوالے سے کہ میڈیا

کا انتہا پسندی کے فروغ میں کتنا کردار ہے۔میڈیا کو ریاست کا چوتھا ستون مانا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں یہی چوتھا ستون اپنی ریاست کی نفی کرنے اور اسکی بنیادیں کمزور کرنے پر تلا ہوا ہے۔میڈیا پر ایسی غلط تصویر کشی کی جاتی ہے جس سے نہ صرف انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے بلکہ ہمارا تشخص بھی متاثر ہو رہا ہے۔میڈیا نے انتہا پسند گروہوں کے پروپیگنڈے کو اپنی پالیسی میں شامل کرلیا ہے کیونکہ اس چیز کے لئے ان کو خطیر رقم ملتی ہے۔آج کل میڈیا پر متنازعہ چیزوں سے لیکر پر تشدد مناظر تک کو کھلم کھلا دکھایا جاتا ہے جس سے لوگوں میں خوف و ہراس اور تذبذب پیدا ہوتا ہے۔انہیں سمجھ نہیں آتی وہ کس کا یقین کریں اور کس کا نہیں۔اس کے علاوہ ایسے مذہبی چینل آگئے ہیں۔دوسرے فرقوں اورعقیدوں پر اس طرح تنقید کرتے ہیں کہ لوگوں میں انتشار پھیل جاتا ہے اور ایک دوسرے کی جان لینے پر آجاتے ہیں۔میڈیا چینلز کے قواعدو ضوابط ہوتے ہوئے بھی ان پر عمل درآمد نہیں کرتا اور جو جی میں آتا ہے دکھاتا اور کہتا ہے۔ ہماری ریاست بھی اس معاملے میں کچھ کرنے سے قاصر ہے۔میڈیا اگر مثبت رویہ اختیار کرے تو انتہا پسندی کو جڑ سے ختم کیا جاسکتا ہے،ایسی چیزیں دکھائی جانی چاہیئں کہ لوگوں کا رویہ تبدیل ہو اور انتہا پسندانہ سوچ سے نجات مل سکے۔

انتہا پسندی کیا ہے؟ اسکی مختلف اقسام ، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کے لئے لائحہ عمل

سید ممتاز شاہ

انتہا پسندی ایسا روّیہ،سوچ یا بعض دفعہ ایسا عمل ہوتا ہے جو کہ دوسرے لوگوں پر مختلف طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔اسکے اثرات اور نقصانات دیرپا ہوتے ہیں۔انتہا پسندی کی بہت سی اقسام ہوسکتی ہیں۔مثال کے طور پر آج کل مذہبی انتہا پسندی عروج پر ہے اور دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہوگا جہاں پر مذہبی انتہا پسندی نہیں ہوگی۔مذہب کے کچھ ٹھیکدار سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کرکے آپس میں لڑواتے ہیں ۔سادہ وح لوگ اس حدتک چلے جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ماضی قریب میں ایسی مثالیں ہیں جو کہ اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ مذہبی انتہا پسندی کی وجہ یہی لوگ ہیں جو کہ مذہب کو اپنے ناجائز فوائد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کی جانوں سے کھیلتے ہیں۔انتہا پسندی کے اثرات معاشرے پر مختلف طرح سے ہوتے ہیں خاص طور پر نوجوان طبقہ بہت متاثر ہوتا ہے اور ان کا رجحان جرم کی طرف بڑھتا ہے۔اگر ریاست صحیح لائحہ عمل اختیار کرے اور انصاف اور انسانی حقوق کی برابری ہو تو انتہا پسندی کی روک تھام کی جاسکتی ہے۔اس کے لیے عام لوگوں کو بھی اپنی اپنی ذمہ داری نبھانی ہوگی اور انتہا پسند گروہوں کی تقلید سے گریز کرنا ہوگا۔

کندھ کوٹ 9-8 ستمبر 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے’’انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار‘‘ کے فروغ کے عنوان سے 9-8 ستمبر 2015 کو ضلع کندھ کوٹ میں دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا۔جن موضوعات پر تربیت کاروں نے لیکچر دیئے ان میں جمہوریت اور انسانی حقوق،انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق،طرزفکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، انتہا پسندی کیا ہے اس کے مختلف اقسام ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلیے لائحہ عمل،میڈیا کیا ہے،اس کے مختلف اقسام،بدلتے ہوئے روحجانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار اور انسانی حقوق کا فروغ،حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کیلیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار شامل تھے۔سہولت کاروں میں جمیلہ منگی،ندیم عباس،ضلعی کوآرڈینیٹر احمد بخش چنہ ،اسلم میر بحر،یاسین لاشاری اور عبدالغنی شامل تھے۔تربیتی ورکشاپ میں شریک ہونے والے 10 خواتین سمیت 30 شرکاء میں ضلع کندھ کوٹ کے مختلف علاقوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔

> انتہا پسندی ایسا روّیہ،سوچ یا بعض دفعہ ایسا عمل ہوتا ہے جو کہ دوسرے لوگوں پر مختلف طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔اسکے اثرات اور نقصانات دیرپا ہوتے ہیں۔انتہا پسندی کی بہت سی اقسام ہوسکتی ہیں۔آج کل مذہبی انتہا پسندی عروج پر ہے۔مذہب کے کچھ ٹھیکدار سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کرکے آپس میں لڑواتے ہیں۔سادہ لوح لوگ اس حدتک چلے جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔

تربیتی ورکشاپ کے دوران شرکاء کو پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جدوجہد پرمبنی دستاویزی فلم ہم انسان دکھائی گئی۔ایک اور دستاویزی "فلم لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر" دکھائی گئی۔ورکشاپ کے دوران گروپ ورک کے ذریعے ضلع کندھ کوٹ میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا جس میں شرکاء نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

جمیلہ منگی ریجنل کوآرڈینیٹر (ایچ آرسی پی)

اس ورکشاپ میں شرکت کرنے پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) آپ سب کا شکر گزار ہے۔اس ورکشاپ کا مقصد پاکستان کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرنا ہے تا کہ ان مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جاسکے۔اس وقت پاکستان کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ انتہا پسندی ہے جو دیمک کی طرح ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کررہی ہے۔ایچ آرسی پی نے پاکستان کے مختلف اضلاع میں ورکشاپ منعقد کرنے کے بعد تعلقہ کی سطح پر بھی ورکشاپ کرنے کا کا فیصلہ کیا ہے تا کہ تیزی سے بڑھتے ہوئے اس کے اثرات سے بچا جاسکے جو ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی نے انسانی حقوق کی پامالی اور مذہبی اختلافات میں اضافہ کردیا ہے۔ہمیں اس وقت رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا چاہیے۔اور ایک روشن خیال لوگ پیدا کرنے چاہیے۔

ضلع کندھ کوٹ میں انسانی حقوق کی صورتحال اور علاقے کے بنیادی مسائل

ضلع کندھ کوٹ میں انسانی حقوق کی صورتحال تسلی بخش نہیں ہے۔یہاں پرصحت اور تعلیم کی سہولتوں کے دستیاب نہ ہونے کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی جاری ہے۔ضلع کندھ کوٹ میں کاروکاری،کم عمر بچیوں کی شادی، وٹہ سٹہ اور لڑکیوں کوخون کے عوض میں دینا عام ہے۔سڑکیں خستہ حالت میں ہیں ۔ضلع کندھ کوٹ میں وڈیرا شاہی نظام کی وجہ سے عام انسان زندگی اپنے مرضی سے نہیں گذار پاتا۔یہاں پر مذہبی اور سماجی انتہا پسندی عروج پر ہے۔

جمہوریت اور انسانی حقوق،انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق

عبدالغنی

جمہوری نظام حکومت میں ریاست کے افراد ووٹ کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں تا کہ وہ ریاست کو عوام کے مفاد کے تحفظ کے لیے بہتر طریقے سے چلاسکیں۔جمہوری حکومت اپنے شہریوں کو تمام تر تحفظات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے حقیقی جمہوری نظام کی خصوصیات میں عوام کی

حاکمیت، تمام بنیادی انسانی حقوق اور وسائل کی فراہمی، قانون کی عملداری اور بہتر اطلاق، آزادی رائے کو یقینی بنانا، معاشرتی عدم برداشت کا خاتمہ اور تمام حقائق اور معلومات تک ہر شہری کی رسائی یقینی بنانا شامل ہیں۔ایک جمہوری ریاست میں اظہار رائے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔کشیدگی افراتفری کو جنم دیتی ہے اور افراتفری معاشی استحصال کا باعث بنتی ہے۔معاشرے کے ایک فرد کا مثبت جمہوری کردار پورے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔جمہوریت دراصل کسی بھی ریاست کا نظریہ ہوتی ہے اور ایک جمہوری ریاست نسل، فرقہ، اور زبان کی بنیاد پر اپنے شہریوں میں امتیاز پیدا نہیں کرتی۔کسی بھی ملک کی جمہوریت اور معیشت کا آپس میں گہرا تعلق ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی ملک کی معیشت ترقی کر رہی ہو جبکہ ملک کا جمہوری نظام زوال پذیر ہو۔جمہوریت اور معیشت میں کوئی جبلی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ رشتہ آہستہ آہستہ قائم ہوتا ہے۔جہاں تک انسانی حقوق اور معاشی ترقی کا تعلق ہے تو معاشی ترقی کے لیے بنیادی حقوق کا پرامن حصول لازم ہے۔بدقسمتی سے پاکستان میں ہتھیاروں اور دہشت گردی کا کلچر فروغ پا رہا ہے جو کہ اس کو ترقی کی راہ سے دور کرتا جا رہا ہے۔عوام عدم تحفظ کا شکار ہیں تو ایسے حالات میں ملک معاشی عدم استحکام کا شکار ہے۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

ندیم عباس

نصاب مرتب کرتے وقت دور، حالات، اور ضرورتیں سامنے رکھتے ہوئے اہم نکات رکھے جاتے ہیں اور پھر کورس کو ترتیب دیا جاتا ہے اور وہی کورس تعلیم و تربیت کی صورت میں تعلیمی اداروں کی معرفت نئی نسل کے طرف منتقل کیا جاتا ہے تاکہ نئی نسل کے ذہنوں کی آبیاری کی جا سکے۔نصاب مرتب کرتے وقت ماہرین کے پیش نظر یہ نقطہ ہوتا ہے کہ تعلیمی اداروں میں ہماری نئی نسل کی اخلاقیات کس قدر سدھر سکتی ہے۔کچھ اسکالرز کو شکایت ہے کہ نصابی کتابیں مذہبی اور اخلاقی تبلیغ سے بھری پڑی ہیں۔ان کا استدلال یہ ہے کہ اسلامیات ایک الگ مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے تو پھر دوسرے مضامین میں اسلامی سبق دینے کی کیا ضرورت ہے۔کیا ایسا کرنے سے اسلام کی خدمت ہوگی یا ایک قسم کی انتہاپسندی کو تقویت ملے گی؟ میری رائے کے مطابق اس طرح کے روّیے سے کچے ذہنوں میں فکری سوچ کی تالابندی ہورہی ہے اور ان ذہنوں میں کسی نکتے پر فکری یا تنقیدی سوچ کا حوصلہ پیدا نہیں ہو رہا۔یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کچے ذہنوں میں ایسی اختلافی سوچ پیدا کرنا اسلام کی کیسی خدمت ہے؟

انتہاپسندی کیا ہے اس کے مختلف اقسام ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل

اسلم میر بحر

انتہاپسندی کا مطلب ہے کسی خیال یا عمل میں انتہا تک پہنچ جانا۔یعنی جو میں سوچتا ہوں بس وہی درست اور یہی سب پر مسلط کیا جائے تو وہ انتہاپسندی ہے۔کوئی بھی انسان انتہاپسندانہ روّیہ پیدائش کے ساتھ نہیں لاتا بلکہ وہ معاشرے اور موروثی عقائد سے سیکھتا ہے۔گھروں میں والدین کی ناچاقیاں، غربت، بے روزگاری اور جہالت انتہاپسندی کی اہم وجوہات ہیں۔انتہاپسندانہ روّیوں کی جھلک معاشرے کے تمام طبقات اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔انتہاپسندی کی کئی اشکال ہیں جن میں مذہبی انتہاپسندی، سماجی انتہاپسندی، سیاسی انتہاپسندی اور ریاستی انتہاپسندی شامل ہیں۔

> جہاں تک انسانی حقوق اور معاشی ترقی کا تعلق ہے تو معاشی ترقی کے لیے بنیادی حقوق کا پرامن حصول لازم ہے۔بدقسمتی سے پاکستان میں ہتھیاروں اور دہشت گردی کا کلچر فروغ پا رہا ہے جو کہ اس کو ترقی کی راہ سے دور کرتا جا رہا ہے۔عوام عدم تحفظ کا شکار ہیں اور ایسے حالات میں ملک معاشی عدم استحکام کا شکار ہے۔

مذہبی انتہاپسندی کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ عقیدے کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کرنا اور عقیدے کی رو سے ان سے سلوک کرنا۔یہ انتہاپسندی کی خطرناک ترین شکل ہے اور آج کل پاکستان کو سب سے بڑا خطرہ بھی مذہبی انتہاپسندی سے ہے۔یہ تمام انسانوں کا بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو برحق سمجھیں۔لیکن جب آپ اس خیال کو باقی افراد پر بزور طاقت نافذ کرنا چاہتے ہیں تو آپ انتہاپسندی کے مرتکب ہوتے ہیں۔تمام عقائد انسانوں کی بہتری اور بھلائی کے لیے آتے ہیں نہ کہ خود کو برحق ثابت کروانے کے لیے۔اس لیے کہ عقیدہ کبھی باطل نہیں ہوتا اور اسے کبھی بھی بزور طاقت نہیں منوایا جاسکتا۔

سماجی انتہاپسندی: ہمارے ہاں سماج نے عورت کے تمام تر حقوق پامال کر رکھے ہیں۔ان کو اپنی مرضی سے شادی پر مجبور کرنا، خواتین کا احترام نہ کرنا، انکا پہناوا اپنی مرضی کے مطابق بنوانا، خواتین کو تعلیم کے حق سے محروم کرنا، غیرت کے نام پر ان کو قتل کرنا سب سماجی انتہاپسندی کے زمرے میں آتے ہیں۔کاروکاری سماجی انتہاپسندی کی سب سے اہم مثال ہے جس میں محض شک کی بنیاد پر ہم کسی انسان کی جان لے لیتے ہیں۔سماجی ضابطوں کی خلاف ورزی یقیناً قابل تعزیر ہے لیکن جرم اور سزا کی نوعیت کا تعین کرنے کے لیے جب سماجی ادارے موجود ہیں تو یہ اختیار کسی صورت ایک فرد کو نہیں دیا جاسکتا۔

سیاسی انتہاپسندی: بروز طاقت کسی کے ووٹ کا حق چھیننا یا کسی کے سیاسی نظریات پر قبصہ کرنا سیاسی انتہاپسندی کہلاتا ہے۔ووٹ معاشرے کے ہر فرد کا جمہوری حق ہے اور جب کوئی سیاسی پارٹی عوام کو ڈرا دھمکا یا لالچ دے کر اس کے حق کو پامال کرتی ہے تو ملک سیاسی انتہاپسندی کا شکار ہوتا ہے۔

ریاستی انتہاپسندی: جب کوئی ریاست کسی خاص نظریے یا عقیدے کو اپنائے تو وہ انتہاپسندی کا شکار ہو جاتی ہے مثال کے طور پر اسرائیل نے اپنے آئین میں یہ طے کر دیا ہے کہ ہولوکاسٹ کی حقیقت پر سوال اٹھانے یا اس کے خلاف بات کرنے کو ملک سے غداری سمجھا جائے گا اور ایسے شخص کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے گی۔یہ ریاستی انتہاپسندی کی مثال ہے۔

انتہاپسندی کی روک تھام کے لیئے لائحہ عمل میں جمہوری روایات کا فروغ، تعلیم کا عام کرنا، گھریلو ماحول کی بہتری، سماجی انصاف کی فراہمی اور رواداری اور برداشت کا مظاہرہ شامل ہیں۔

میڈیا کیا ہے، اس کے مختلف اقسام، بدلتے ہوئے روحجانات اور انتہاپسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

یاسین لاشاری

میڈیا کا نام آتے ہی ذہن میں ایک بات ضرور آتی ہے کہ یہ کوئی نئی معلومات دے گا۔میڈیا میں اخبارات، الیکٹرونک میڈیا اور سوشل میڈیا میں فیس بک، ٹویٹر، یوٹیوب وغیرہ شامل ہیں۔کسی بھی ملک میں میڈیا پر لازم ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی خیرخواہی اور اس کی سالمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح معلومات دے اور اصل حقائق سے عوام کو آگاہی دے۔جھوٹے اور منفی پروپیگنڈہ سے گریز کرے اور عوام کو اپنے حقوق کی آگاہی میں کردار ادا کرے۔سرکار کا نام آتے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ سرکاری میڈیا یا سرکاری پالیسی سے باہر کوئی بات نہیں کرے گا اور صرف سرکار کی خوشامد کا پابند

ہے۔جبکہ پرائیوٹ میڈیا کھل کر سرکار کے ناجائز کاموں سمیت کرپشن، اور عوام کے مسائل کو اجاگر کرتا ہے۔میڈیا سے منسلک رپورٹر، سب ایڈیٹر، ایڈیٹر، پروڈیوسر کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ رپورٹر نچلی سطح پر کام کرتا ہے۔رپورٹر ہمیشہ ادارے کا کلیدی کردار ہوتا ہے جو پل پل کی اطلاع اپنے ادارے کو دیتا رہتا ہے اور وہی ان اطلاعات کی سچائی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ایڈیٹر کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر آنے والی ہر خبر کے مواد کو اچھی طرح پڑھے اور گیٹ کیپر کے فرائض احسن طریقے سے ادا کرے۔ٹی وی پر دکھائے گئے حادثات اور قدرتی آفات کے مناظر ذہنوں پر گہرے اثرات چھوڑتے ہیں۔ویسے تو پیمرا اپنے دائرہ اختیار میں میڈیا کو ضابطہ اخلاق کا پابند بنا سکتا ہے مگر سرکاری مفاد کے باعث وہ کچھ بھی نہیں کرتا۔میڈیا کو چاہئے کہ ہمیشہ انتہا پسندی ختم کرنے میں اپنا کردار ادا کرے اور انتہا پسند عناصر کی نشاندہی کے ساتھ ان کی حوصلہ شکنی کرے۔ ایسے عناصر کو بطور ہیرو پیش کرنے کی بجائے ان کی ہر قدم پر مزاحمت کرے۔

انسانی حقوق کا فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کیلئے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

احمد بخش چنہ

حق کے لغوی معنی ہیں، درست، ٹھیک اور صحیح۔گویا انسانی حقوق کا مسئلہ دراصل اخلاقیات سے تعلق رکھتا ہے۔اصطلاحی معنوں میں انسانی حقوق سے مراد ایسے قوانین، اقدار اور ادارے ہیں جن پر تمام انسانی حقوق کو یکساں استحقاق حاصل ہے۔اس ضمن میں بنیادی شرط صرف انسان ہوتا ہے۔رنگ نسل، مذہب، جنس، زبان، ثقافت، سماجی مقام، مالی حیثیت اور سیاسی خیالات کے فرق سے کسی فرد کے انسانی حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔انسانی حقوق کی اخلاقی بنیاد کو سمجھنے کے لیے اخلاقیات کے دیگر نظاموں اور انسانی حقوق میں بنیادی فرق جاننا ضروری ہے۔انسانی حقوق مستند کتابوں سے نہیں ڈھونڈے جاتے اور نہ انسانی حقوق کسی ادارے کی توثیق کے مرہون منت ہیں۔انسانی حقوق انسانیت کے صدیوں پر محیط اجتماعی تجربات کا نچوڑ ہیں۔انسانی معاشرہ ہر لحہ جنم لیتی ہوئی نئی تبدیلی اور کبھی ختم نہ ہونے والے نئے امکانات کا رنگارنگ مظہر ہے۔انسان ہونے کے ناطے ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ تحفظ، انسانی ضرورت کی فراہمی، خوشیوں کے حصول، پائیدار ترقی اور تخلیق قوت کے اعتبار سے اجتماعی معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے انسانی معاشرے نے جنگل سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔جنگل میں انسانی زندگی طرح طرح کے خطرات میں گھری تھی۔جنگل میں انسان پر تین خوفناک حقائق یعنی عدم تحفظ، لاعلمی اور خوف کے سائے بہت گہرے تھے۔ان تین عناصر نے قدیم انسان کی انفرادی اور اجتماعی نفسیات کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی افعال کا پیمانہ ایک سیدھا سادہ اصول قرار پایا یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔اس اصول کے نتیجے میں انسانی معاشرے میں بہت سی بنیادی نا انصافیوں نے جنم

> اس جدید جمہوری ریاست کی لازمی خصوصیت یہ ہونا تھی کہ یہاں انسانی حقوق کا احترام کیا جاتا۔پاکستان کے ابتدائی حکمرانوں کے ذہن میں بھی پاکستان کا تصور اس سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ 1949ء سے 1973ء تک کے عرصہ میں بنیادی انسانی حقوق کا تعین کرنے اور اس کے دائرہ کو بڑھانے کی کوشش ہوتی رہی۔1979ء کے مارشل لاء کے بعد انحطاط کا ایک طویل دور شروع ہوا۔اسلامائزیشن پر زور دینے اور نظریہ پاکستان کی من مانی تعبیر کو ریاست پر ٹھونسنے کی وجہ سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

لیا۔معاشرے میں طاقتور افراد اور گروہوں نے اجتماعی انسانی وسائل پر اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنے کے لیے انسانوں میں اونچ نیچ کے تصورات پیدا کئے۔رنگ، نسل اور جنس جیسی پیدائشی خصوصیات کو بنیاد بنا کر انسانوں کو وسیع گروہوں کی بنیادی ضروریات سے محروم کیا گیا اور انہیں ترقی اور فیصلہ سازی کے عمل سے باہر رکھا گیا اور خود مرکزیت کی بنیاد رکھی۔خود مرکزیت سے مراد ایسا رویہ ہے جس میں لوگ اپنے عقائد، نسل ثقافت اور قوم کو دوسروں سے برتر سمجھتے ہیں اور دوسرے مذاہب، ثقافتوں اور اقوام کو اپنے پیمانے پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یکساں انسانی وقار اور تمام انسانوں کے ناقابل انتقال اور ناقابل تنسیخ حقوق کا تصور پندرہویں اور سولہویں صدی کے درمیانی عرصے میں پیدا ہوا۔انسانی تاریخ پہلی مرتبہ قدیم عقائد اخلاق اقدار، معیارات اور سماجی ڈھانچوں کی غیر جانبدارانہ جانچ شروع ہوئی۔انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی فلاح کے تمام تجزیات، نظریات، اقدار اور سیاسی اصلاحات نے معاشرے میں عوام کی حاکمیت کی بنیادیں استوار کیں۔ اس عظیم تبدیلی کے لیے درکار مادی ڈھانچہ سترہویں صدی میں صنعتی انقلاب نے مہیا کیا۔درحقیقت یہ تمام تبدیلیاں انسانی حقوق کی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتی تھیں۔پاکستان ایک آزاد ملک کی حیثیت سے جس وقت دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا، اس کے 20 ماہ بعد منشور پر دستخط ہوئے۔ملک کا پہلا آئین بھی انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کی منظوری کے چند برس بعد بنا۔لہٰذا اس جدید جمہوری ریاست کی لازمی خصوصیت یہ ہونا تھی کہ یہاں انسانی حقوق کا احترام کیا جاتا۔پاکستان کے ابتدائی حکمرانوں کے ذہن میں بھی پاکستان کا تصور اس سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ 1949ء سے 1973ء تک کے عرصہ میں بنیادی انسانی حقوق کا تعین کرنے اور اس کے دائرہ کو بڑھانے کی کوشش ہوتی رہی۔1979ء کے مارشل لاء کے بعد انحطاط کا ایک طویل دور شروع ہوا۔اسلامائزیشن پر زور دینے اور نظریہ پاکستان کی من مانی تعبیر کو ریاست پر ٹھونسنے کی وجہ سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔اس کے بعد آنے والی جمہوری حکومتیں انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور اور پاکستان کے آئین میں دی گئی انسان دشمن ترمیموں کے تضاد کو دور کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکیں۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان ان ملکوں کی فہرست میں شامل ہوگیا جہاں انسانی حقوق کی ترقی کا سفر رکا ہوا ہے اور لوگوں کو وہ حقوق حاصل کرنے میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن سے ریاست انکار نہیں کرتی اور جو پاکستان کے آئین میں شامل ہیں۔

شرکاء کی رائے: ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء کو سرٹیفکیٹ تقسیم کئے گئے۔شرکاء نے ایچ آر سی پی کی تربیتی ورکشاپ کو سراہا اور کہا کہ ان کے ضلع میں ایسی ورکشاپ کی ضرورت تھی جس میں انہیں اپنے حقوقوں کی آگاہی سے اور ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے نقصانات کا پتہ چلے۔ان کا مزید کہنا تھا کہ اس ورکشاپ کی مدد سے وہ اپنے حقوق روشناس ہوئے اور اب وہ اس پیغام کو اپنی کمیونٹی، محلے تک ضرور پہنچائیں گے۔

خیرپور 11-12 ستمبر 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے ''انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار'' کے فروغ کے عنوان سے 11-12 ستمبر 2015 کو تعلقہ رانی پور ضلع خیرپور میں دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا جس میں درج ذیل موضوعات پر تربیت کاروں نے لیکچر دیئے۔طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، میڈیا کیا ہے، اس کے مختلف اقسام، بدلتے

ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار، مذہبی و مسلکی ، ہم آہنگی اور رواداری کا فروغ اور نفرت و تعصب کے انسداد کیلئے لائحہ عمل، انتہا پسندی کے انسداد میں ادب،ادیب اور فنونِ لطیفہ کا کردار، انسانی حقوق کا فروغ،حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کیلئے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار۔

سہولت کاروں میں جمیلہ منگی ، ندیم عباس،علی دوست اوجن،محمد علی سہتو ،منظور اوجن ،ریاض حسین شامل تھے اور تربیتی ورکشاپ میں شریک ہونے والے شرکاء میں تعلقہ رانی پور کے مختلف علاقوں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں مرد اور خواتین نے شرکت کی۔ تربیتی ورکشاپ کے دوران شرکاء کو دستاویزی فلمیں دکھائی گئیں جن میں ایچ آر سی پی کی کاوشوں پر بنی وڈیوڈاکومنٹری جن میں،ہم انسان ،لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر شامل ہیں۔ان دستاویزی فلموں کو شرکاء نے بے حد پسند کیا۔تربیتی ورکشاپ کے دوران گروپ ورک کے ذریعے رانی پور میں انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ بھی لیا گیا جس میں شرکاء نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔

ورکشاپ کے اغراض ومقاصد

جمیلہ منگی ریجنل کوآرڈینیٹر (ایچ آر سی پی)

اس ورکشاپ میں شرکت کرنے پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) آپ سب کا شکر گزار ہے۔اس ورکشاپ کا مقصد پاکستان کو درپیش مسائل کا تجزیہ کرنا ہے تاکہ ان مسائل کا ممکنہ حل تلاش کیا جاسکے۔اس وقت پاکستان کو درپیش سب سے سنگین مسئلہ انتہا پسندی ہے جو دیمک کی طرح ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ایچ آر سی پی نے پاکستان کے مختلف اضلاع میں ورکشاپ منعقد کرنے کے بعد تعلقہ کی سطح پر بھی ورکشاپ کرنے کا کا فیصلہ کیا ہے تاکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے اثرات سے بچا جاسکے جو ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے مہلک ہے۔ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی نے انسانی حقوق کی پامالی اور مذہبی اختلافات میں اضافہ کردیا ہے۔ہمیں اس وقت رواداری اور برداشت جیسے تصورات کو فروغ دینا چاہیے۔اور ایک روشن خیال لوگ پیدا کرنے چاہیے۔

تعلقہ رانی پور میں انسانی حقوق کی صورتحال اور علاقے کے بنیادی مسائل:۔

تعلقہ رانی پور میں انسانی حقوق کی صورتحال تسلی بخش نہیں ہے۔یہاں پر صحت اور تعلیم کی صورتحال کچھ ناگفتہ بہ ہے۔علاقے میں عورتوں اور بچوں کے حقوق کی خلاف ورزیاں عام ہیں جن میں کاروکاری، کم عمر بچیوں کی شادی، وٹہ سٹہ خون کے عیوض میں دینا شامل ہیں۔تعلقہ رانی پور میں وڈیرا شاہی نظام کی وجہ سے عام انسان اپنی زندگی اپنے مرضی سے نہیں گذار پا رہا۔یہاں پر مذہبی اور سماجی انتہا پسندی بہت زیادہ ہے۔

میڈیا کیا ہے،اس کی مختلف اقسام، بدلتے ہوئے رجحانات اور انتہا پسندی کے انسداد یا فروغ میں میڈیا کا کردار

جمیلہ منگی

تاریخی طور پر پاک و ہند میں پرنٹ میڈیا کا قوم کو بیدار کرنے سمیت معاشی اور سیاسی کردار بھی رہا ہے۔1780ء

تاریخی طور پر پاک و ہند میں پرنٹ میڈیا کا قوم کو بیدار کرنے سمیت معاشی اور سیاسی کردار بھی رہا ہے۔ **1780**ء میں جیمس ہیکی نے ایک نیوز پیپر شائع کیا۔**1816**ء سے **1822**ء تک اردو اخبار "جام جہاں نما" شائع ہوا۔ **1831**ء میں مرزا غالب کی سربراہی میں" آئینہ سکندری" شائع ہو۔**1837**ء میں سرسید احمد خان کے بھائی محمد خان نے آگرہ سے اخبار شائع کیا۔**1887**ء میں منشی محبوب عالم نے پیسہ اخبار شائع کیا تھا۔ میڈیا کی اقسام میں پرنٹ میڈیا،الیکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا شامل ہیں۔

میں جیمس ہیکی نے ایک نیوز پیپر شائع کیا۔1816ء سے 1822ء تک اردو اخبار "جام جہاں نما" شائع ہوا۔ 1831ء میں مرزا غالب کی سربراہی میں" آئینہ سکندری" شائع ہو۔1837ء میں سرسید احمد خان کے بھائی محمد خان نے آگرہ سے اخبار شائع کیا۔1887ء میں منشی محبوب عالم نے پیسہ اخبار شائع کیا تھا۔میڈیا کی اقسام میں پرنٹ میڈیا،الیکٹرانک میڈیا اور متبادل میڈیا فیس بک شامل ہیں۔میڈیا میں ایک نجی میڈیا اور دوسرا ریاستی میڈیا ہے۔

ریاستی میڈیا وہ مواصلاتی ذریعہ ہے جو پرنٹ یا الیکٹرانک وسائل کے ساتھ حکومت وقت کی پالیسیوں کی تشہیر کرتا ہو جیسا کہ پاکستان میں یہ کام پی ٹی وی کرتا ہے۔جبکہ نجی میڈیا ٹی۔وی چینلز اور اخباروں کی شکل میں ہوتے ہیں۔نجی میڈیا کے مالکان سرمایہ کاری کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ منافع کما سکیں۔نجی میڈیا کی خبر کی بنیاد علاقائی رپورٹرز ہوتے ہیں اور بدقسمتی سے پاکستان میں نجی میڈیا کے جو علاقائی رپورٹرز زیادہ تر پیشہ ورصحافی نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ان کی باقاعدہ ماہانہ تنخواہ بھی نہیں ہوتی بلکہ ان رپورٹرز کو واقعات کی رپورٹنگ کی بنیاد پر پیسے دیئے جاتے ہیں۔آج کل نجی میڈیا خاص کر ٹی وی چینلز پر جو اشتہارات اور بریکنگ نیوز کی جو بھرمار ہے یہ اصل میں نجی میڈیا کے مالکوں کیلئے زیادہ آمدن کا وسیلہ ہے۔جو ٹی وی چینلز زیادہ دیکھے جاتے ہیں ملٹی نیشنل کمپنیاں ان کو اس خاص ٹی وی چینل کی ریٹنگ(Television Rating Points) کے حساب سے اشتہارات دیتے ہیں۔جس ٹی وی چینل کی ریٹنگ زیادہ ہوتی ہے ان کو اس حساب سے زیادہ اشتہارات ملتے ہیں۔

مذہبی و مسلکی ہم آہنگی اور رواداری کے فروغ اور نفرت وتعصب کے انسداد کیلئے لائحہ عمل

محمد علی سہتو

دوسرے مذاہب کو دیکھا جائے تو کیا ان کی تعلیم انسانیت کے خلاف ہے ؟بدھ مذہب کی تعلیمات کے بنیادی نکات یہ ہیں کہ کسی کی زندگی کو نقصان پہنچانے سے پرہیز کریں، ہمسائیوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھیں۔دیکھا جائے تو یہ نکات انسان کے فائدے کے ہیں۔ بدھ مذہب کے پیروکاروں نے برما روہنگیا مسلمانوں کو زندہ جلادیا تو مذہب کی کیا خرابی ہے۔جو مسلمان مذہب کی آڑ میں بیگناہ انسانوں کو قتل کررہے ہیں تو اس کو کیا کہیں گے کہ خرابی مذہب میں ہے۔خرابی ان لوگوں کے ذہن میں ہے جو مذہب کو غلط استعمال کررہے ہیں۔اصل میں ہوا یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے مذہب کو ذاتی یا سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔اگر ہم مذہب کی صحیح معلومات رکھیں اور ان پرعمل کریں تو یہ مذہبی ٹکراؤ نہیں ہونگے۔

پاکستانی معاشرہ بدقسمتی سے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹ چکا ہے۔زبان کی بنیاد پر، نسلی امتیازات کی بنیاد پر، مذاہب اور مسلکوں کی بنیاد پر، رنگ اور صنف کی بنیاد پر انتہا تک پہنچ چکا ہے۔لیکن جب ہم آج یہ کہہ رہے ہیں کہ مذہبی اور مسلکی ہم آہنگی ہونی چاہیے تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ جب ہم نے یہ تسلیم کرلیا کہ مذہبی ہم آہنگی ہونی چاہئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دیگر مذاہب کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔اگر یہ بات ہماری ریاست سچے دل سے قبول کرے کہ پاکستان میں مذہبی ہم آہنگی ہونی چاہئے تو پھر لوگوں کے نفسیات اور زندگی پر ضرور اثر ہوگا کیونکہ ریاست کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔

انتہا پسندی کے انسداد میں ادب، ادیب اور فنونِ لطیفہ کا کردار

منظور اوجن

فنون لطیفہ، آرٹس، ادب اور شاعری جذبات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ہر معاشرے کا ایک خاص اخلاقی ضابطہ ہوتا ہے اور اس اخلاقی ضابطے میں اچھے برے کا ایک واضح تصور موجود ہوتا ہے۔ نیکی اور بدی کا اخلاقی فلسفہ اچھے برے کی تمیز بتاتا ہے۔ یہ ہم سب ذی شعور انسان سمجھتے ہیں کہ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔ اپنے ثقافت کے اندر سب اس کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ برطانیہ کی کالونی ہونے کے ناطے انگریزوں نے ہمیں جو عدالتی اور دستوری نظام دیا ہے وہ کتنا ہمارے معروضی حالات سے مناسبت رکھتا ہے اور ہمارے ثقافتی اور اخلاقی اقدار سے کتنا ہم آہنگ ہے یا ہماری ثقافتی اور اخلاقی اقدار سے کتنا تصادم ہے۔ ان کا سزا اور جزا کا نظام کتنا ہماری ثقافتی پرورش سے مطابقت رکھتا ہے یہ ایک سوالیہ نشان ہے جو میں قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

ادب، ارٹ شاعری اور مصوری میں ایک گہرا اثر ہوتا ہے۔ مُصور خاموش رنگوں کے ذریعے ان رنگوں کو زبان دیتا ہے۔ تصویر تو بول نہیں سکتی لیکن آپ اس شاہکار کو دیکھ کر اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ شاعر ایک شعر میں جو پیغام دیتا ہے وہ بہت اثر رکھتا ہے۔ حبیب جالب نے اپنی شاعری میں جو پیغام دیا ہے وہ شائد کسی لمبے کالم میں نہ ہو سکے۔ اگر کسی بھی انتہا پسند کے سینے میں اگر انسان کا دل ہو تو وہ شاعری کو ضرور تسلیم کریگا۔ اسی طرح موسیقی ہو، فن مصوری ہو، شاعری ہو، ڈرامہ ہو یا ناول جو کچھ بھی ہو اس میں مقصدیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دنیا کی ہر ثقافت ایک خاص اخلاقی ضابطے اور فلسفے پر کاربند ہوتی ہے۔ ثقافت انسانوں کی مجموعی زندگی کا اخلاقی اور معاشرتی ضابطہ ہوتی ہے۔ اگر کسی معاشرے میں جمالیاتی اقدار اعلیٰ اور ارفع ہوں تو وہ معاشرہ مثبت تبدیلی کی طرف جائے گا اور اس میں باہمی برداشت بھی کافی حد تک موجود ہوگی۔ دوسری طرف ہم اپنے معاشرے میں بگاڑ اور انتشار کا موازنہ کریں تو یہ ہمارے آج کی موسیقی میں بھی واضح ہے اور ہماری اخلاقی قدروں میں بھی۔ موسیقی ایک ہم آہنگی کا نام ہے۔ اگر رباب میں ایک تار ڈھیلا اور بے سُرا ہو تو یہ تمام موسیقی کو بے سُرا بنائے گا۔ اسی طرح ہم انسانوں کو بھی گھل مل کے ایک خوبصورت رواداری معاشرے کو وجود میں لانا ہے۔

شاعری دراصل الفاظ کا صحیح اور موزوں استعمال کرنا ہے اور وہی الفاظ جب ہم آہنگی کے ساتھ پرو دیئے جائے تو یہ

> ادب، ارٹ شاعری اور مصوری میں ایک گہرا اثر ہوتا ہے۔ مُصور خاموش رنگوں کے ذریعے ان رنگوں کو زبان دیتا ہے۔ تصویر تو بول نہیں سکتی لیکن آپ اس شاہکار کو دیکھ کر اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ شاعر ایک شعر میں جو پیغام دیتا ہے وہ بہت اثر رکھتا ہے۔ حبیب جالب نے اپنی شاعری میں جو پیغام دیا ہے وہ شائد کسی طویل کالم میں نہ ہو سکے۔ کسی بھی انتہا پسند کے سینے میں اگر انسان کا دل ہو تو وہ شاعری کو ضرور تسلیم کریگا۔ اسی طرح موسیقی ہو، فن مصوری ہو، شاعری ہو، ڈرامہ ہو یا ناول جو کچھ بھی ہو اس میں مقصدیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ دنیا کی ہر ثقافت ایک خاص اخلاقی ضابطے اور فلسفے پر کاربند ہوتی ہے۔ ثقافت انسانوں کی مجموعی زندگی کا اخلاقی اور معاشرتی ضابطہ ہوتی ہے۔ اگر کسی معاشرے میں جمالیاتی اقدار اعلیٰ اور ارفع ہوں تو وہ معاشرہ مثبت تبدیلی کی طرف جائے گا اور اس میں باہمی برداشت بھی موجود ہوگی۔ دوسری طرف ہم اپنے معاشرے میں بگاڑ اور انتشار کا موازنہ کریں تو یہ ہمارے آج کی موسیقی میں بھی واضح ہے اور ہماری اخلاقی قدروں میں بھی۔

ایک خوبصورت آہنگ سے بھرا ہوا نغمہ پیدا کرتا ہے۔ ہمارے فن مصوری بھی مختلف فطری مناظر اور تصاویر کے ذریعے معاشی، معاشرتی، نفسیاتی اور ثقافتی برائیوں کی نشاندہی خوش اسلوبی سے کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر مونا لیزا کی مسکراہٹ ہمارے اندر چھپی ہوئے جمالیاتی ذوق کو جلا بخشتی ہے۔ اگر ہم انتہا پسندی کی بات کرتے ہیں تو انتہا پسندی کا روّیہ ہمارے غصے اور ذاتی پسند نا پسند سے نکلتا ہے جو ہم کو انتہا تک لے جاتا ہے۔ لیکن ادب اور فنون لطیفہ ہمیں برداشت، جمالیات، انسانی جبلت کے بارے میں بہت کچھ حسین انداز میں سکھاتے ہے۔

انسانی حقوق کا فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کیلئے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

خادم حسین

انسانی حقوق انسان کو بطور تحفہ عطا نہیں ہوئے بلکہ سخت جدو جہد سے ہی ان کا حصول ممکن ہوا ہے۔ انسانی حقوق کی جڑیں انسانیت میں پیوست ہیں کیونکہ اس معاشرے کے رکن ہوتے ہوئے ہم اپنی روزمرہ زندگی پر ان کے پیچیدہ تاثر سے بچ نہیں سکتے۔ ہمارے اندر پوشیدہ انسان ہمیں اپنے اردگرد پائے جانے والے تضاد کا جائزہ لینے اور اس تضاد کا خاتمہ کرنے کیلئے علم وعقل سے لیس ہو کر لڑنا سیکھتا ہے۔ ایک انسان کی ذمہ داری صرف اسکی ذات، معاشرہ، خاندان، مذہب یا قوم تک محدود نہیں بلکہ وہ تمام انسانیت کو جوابدہ بھی ہوتا ہے۔ تمام پیغمبروں اور اولیائے کرام نے انسانیت اور لوگوں کو ان کے حقوق اور اخلاقی فرائض سے آگاہی میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ تمام مذاہب سے پہلے بھی انسانوں نے ہم وطنوں کے حقوق اور تحفظ کیلئے کئی جنگیں لڑی ہیں۔ حمورابی قوانین کا مجموعہ وہ واحد تاریخی قانون تھا جو بادشاہ پر بھی لاگو ہوتا تھا جس میں انسانی حقوق کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح یونان کے دانشوروں نے تمام انسانوں کیلئے یکساں عالمگیری قوانین متعارف کروائے اور دنیا میں سب سے قدیم منشور سائرس اعظم کا ہے۔ اس کے علاوہ انگلینڈ میں بادشاہ کے خلاف 1215ء میں ہونے والے میگنا کارٹا معاہدے کو بھی انسانی حقوق کی ابتدائی شکل تسلیم کیا جاتا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کی تباہ کاریوں کے بعد اقوام عالم اس نتیجے پر پہنچیں کہ اب طاقت کا قانون ختم ہونا چاہیے اور دنیا کے تمام انسانوں کے بنیادی حقوق فراہمی یقینی بنائی جائے۔ دنیا کی تمام مہذب اقوام مل بیٹھ گئیں اور عالمی سطح پر انسانی حقوق کے نظام کے نفاذ کا سلسلہ 10 دسمبر 1948ء کو شروع ہوا جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ منظور کیا۔ پاکستان سمیت اقوام متحدہ کی تمام رکن ریاستیں اسی اعلامیے کا احترام کرتی ہیں۔ یہ اعلامیہ انسانوں کے اقتصادی، سماجی، ثقافتی، شہری اور سیاسی حقوق کی مکمل تشریح بیان کرتا ہے اور اس میں انسانی وقار اور عظمت کو پہلی دفعہ میں شامل کر کے انسانوں کی برابری کا اعلان کیا گیا ہے۔

شرکاء کی رائے

ورکشاپ کے اختتام پر شرکاء نے ایچ آر سی پی کی ایسی تربیتی ورکشاپ کو سراہا اور کہا کہ ان کی تحصیل میں ایسی ورکشاپ کی ضرورت تھی۔ اس میں انہیں اپنے حقوق کی آگاہی ملی اور اپنے ملک میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی کے نقصانات کا پتہ چلا۔ اس ورکشاپ کی مدد سے انہیں اپنے حقوق حاصل کرنے میں مدد ملے گی اور اس پیغام کو وہ اپنی کمیونٹی اور محلے تک ضرور پہنچائیں گے۔

☆☆☆

اقتصادی صورت حال 2015-16ء

استحکام، افزائش اور حقوق

ڈاکٹر پرویز طاہر

تعارف:

مالی سال 2015-16ء کے ساتھ ہی پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت اپنی پانچ سالہ آئینی مدت کے تیسرے برس میں داخل ہوگئی ہے۔ اس سے موقع ملا ہے کہ اس عرصے کے دوران اس کی معاشی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔ جون 2013ء میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت کے قیام کے وقت ملک کو دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات کا سامنا تھا جس کے باعث سرمایہ کاری کی فضا پژمردگی کا شکار تھی۔ بجلی کی لوڈ شیڈنگ بہت زیادہ تھی اور معاشی نمو تنزل کا شکار تھی۔ صورتحال یہ تھی کہ انسانی تحفظ، غربت اور عدم مساوات پر کوئی بات ہی نہیں ہو رہی تھی، اس لیے کہ یہ اہم ترین معاملات حکومتی پالیسی کا حصہ ہی نہیں تھے۔ ان مسائل پر توجہ دینے کی بجائے وزیر خزانہ نے اپنی 2015-16 کی بجٹ تقریر میں یہ بتایا کہ حکومت نے تین مقاصد کے حصول کے لیے لائحہ عمل تیار کیا تھا۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ 2014ء میں حکومت ادائیگی کے معاملے میں کوتاہی نہ کر پائے۔ دوسرا مقصد جون 2015ء تک عمومی معاشی عوامل میں استحکام حاصل کرنا ہے جبکہ تیسرا مقصد اقتصادی نمو کو فروغ دینا ہے تا کہ تین برسوں کے بعد ہم ملازمتوں کے مواقع میسر کر کے اور اس حوالے سے وسائل مہیا کر کے ملک سے غربت کا خاتمہ کر سکیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ادائیگیوں میں کوتاہی (ڈی فالٹ) کا لفظ (2013-14ء) پہلی بجٹ تقریر میں استعمال ہی نہیں کیا گیا تھا۔ بدترین حالات میں بھی پاکستان نے قرضوں کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتی اور 2013-14ء میں ادائیگیوں میں کوتاہی کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ آئی ایم ایف نے پی پی پی کی حکومت کو دی جانے والی قرض کی قسط کی ادائیگی روک رکھی تھی اس لیے کہ آئی ایم ایف، حکومت کی تبدیلی کا منتظر تھا تا کہ وہ نئی حکومت کو نیا قرض سود پر دے سکے۔ پہلی بجٹ تقریر میں جس وسط مدتی نظام کا خاکہ دیا گیا تھا اس میں یہ مقصد کہیں بیان نہیں کیا گیا تھا کہ غیر ملکی زر مبادلہ کے ذخائر کو 20 ارب ڈالر تک بڑھایا جائے گا۔ ادائیگیوں میں کوتاہی ہوتی یا نہیں ہوتی، اس مقصد کے حصول کا ذکر تو بہر صورت بجٹ تقریر میں ہونا چاہئے تھا۔ جہاں تک عمومی معاشی عوامل میں استحکام کا تعلق ہے تو اس حوالے سے کہا گیا تھا کہ درمیانی مدت کے پورے عرصے کے دوران افراط زر کو مجرد ہندسے تک محدود رکھا جائے گا اور 2015-16ء تک معاشی خسارے کو کم کر کے مجموعی ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کے چار فیصد تک لایا جائے گا۔ ٹیکس اور جی ڈی پی کی شرح کو 2017-18ء تک پندرہ فیصد تک بڑھایا جائے گا۔ بنک کے رواں کھاتوں میں خسارے کا واضح تعین نہیں کیا گیا تھا حالانکہ یہ توازن یا ٹھہراؤ کے پروگرام کا ایک بے حد اہم عنصر ہوتا ہے۔ خیال یہ کیا گیا تھا کہ مجموعی ملکی پیداوار کی افزائش میں بتدریج، رفتہ رفتہ سات فیصد اضافہ ہوگا اور مجموعی ملکی پیداوار میں سرمایہ کاری کی شرح وسط مدتی اختتام پر بیس فیصد ہوگی۔ ان مقاصد کو حاصل کئے بغیر ہی اعلان کر دیا گیا تھا کہ معیشت مستحکم ہوگئی ہے اور رفعت کی طرف مراجعت اور فروغ حاصل کر رہی ہے۔ استحکام، توازن کو بڑھوتری کے لئے کار آمد قرار دے دیا گیا۔ اگر یہ مخصوص ہو تو پھر یہ لوگوں کو ان کے حقوق دینے کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ یہ اقتصادی جائزہ 2015-16ء کے وفاقی اور صوبائی بجٹوں کا تجزیہ ہے اور حالیہ اقتصادی رویوں کو پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ یہ جانا جا سکے کہ کیا واقعی ایسا ہے یا نہیں۔

مختلف مدات سے ہونے والی آمدنی میں کمی:

ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ آمدنی ہی نقطۂ آغاز ہوتا ہے اور یہی پاکستانی معیشت کی دکھتی رگ یا خاص کمزوری بھی یہی ہے۔ 2014-15ء کے دوران محصولات سے ہونے والی آمدنی کے حوالے سے کارکردگی کے ابتدائی جائزے 2015-16ء کے بجٹ کے تخمینہ جات اور آئندہ دو برسوں کے دوران کی سرکاری سطح پر کی جانے والی تخمینہ سازی نیچے دیئے گئے جدول میں ظاہر کی گئی ہے۔

جدول۔1۔آمدنی کے مظاہر (جی ڈی پی کا فیصد)

	بجٹ 2014-15ء	نظر ثانی شدہ بجٹ 2014-15ء	بجٹ 2015-16ء	تخمینہ سازی 2016-17ء	تخمینہ سازی 2017-18ء
محصولات سے ہونے والی کل آمدنی	14.5	15.4	15.1	15.0	15.3
ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی	11.5	11.5	12.0	12.5	13.0
ایف بی آر کے ٹیکس	9.7	9.5	10.1	10.6	11.3
ٹیکسوں کے سوا دوسرے ذرائع سے ہونے والی آمدنی	3.0	4.0	3.1	2.5	2.3

اس جدول کو پڑھ کر یہ سمجھ لیا ہوگا کہ جی ڈی پی کا 14.5 فیصد کے برابر محصولات کا ہدف بڑھ کر نظر ثانی شدہ تخمینہ 15.4 فیصد کے برابر ہوگیا تھا۔ بہر حال اس کامیابی کی وجہ ٹیکسوں میں اضافہ سے ہونے والی آمدنی نہیں اس لیے کہ جو آمدنی ہوئی وہ مقررہ ہدف ہی کے مطابق تھی۔ نہ ہی ایف بی آر کے ٹیکس محصولات کے باعث یہ ہوا اس لیے کہ ایف بی آر کے ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی ہدف سے کم تھی بلکہ اس کامیابی کی وجہ نان ٹیکس محصول تھا جو جی ڈی پی کا چار فیصد ہوگیا جبکہ ہدف تین فیصد تھا۔ ان اہم مدات میں سٹیٹ بینک آف پاکستان سے ہونے والا 399 بلین روپے کا منافع تھا اور یہ منافع اس لئے ہوا کہ سرکاری شعبہ اور صوبوں کو دیئے جانے والے قرضوں پر دوگنا ہو جانے والے منافع سے حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن اتھارٹی نے 3جی اور 4جی کی نیلامی اور ڈیفنس کی وصولیوں سے یہ نفع ہوا۔ محکمہ دفاع کو یہ رقم کولیشن سپورٹ فنڈ کے حوالے سے حاصل ہوئی تھی۔ 2013-14ء میں بھی بڑھوتری کا اصل سبب نان ٹیکس آمدنی تھی۔ یہ آمدنی پاکستان ڈویلپمنٹ فنڈ کے تحت ملنے والی امداد سے حاصل ہوئی تھی جس میں سعودی امداد بھی شامل تھی۔ اس کے علاوہ سٹیٹ بنک آف پاکستان کے منافعوں کے بقایاجات اور یونیورسل سروس فنڈ سمیت دوسرے اداروں سے ملنے والی امداد بھی اس میں شامل تھی۔ یاد رہے کہ یہ رقم فیڈرل کنسالیڈیٹڈ فنڈ میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی کے لیے مختص کی گئی تھی۔ نان ایف بی آر ٹیکسوں میں محض گیس انفراسٹرکچر سیس کی طرف سے 145 بلین روپے کی بھاری رقم دی گئی۔ یہ رقوم چونکہ ایک ہی بار ملنے والی ہیں اس لیے ان رقوم کو نان ٹیکس آمدنی میں شامل کر کے 2014-15ء کے بجٹ اہداف کا حصہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

2017-18ء کے لیے ٹیکس اور جی ڈی پی کی شرح کی تخمینہ سازی 13 فیصد کی گئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ٹیکس اور جی ڈی پی کے درمیان پندرہ فیصد کی شرح کو حاصل کرنے کے مقصد کو متروک قرار دے دیا گیا ہے۔ براہ راست ٹیکس لگانے کی بنیاد کو وسعت دینے کے لیے ٹیکسوں کے ڈھانچے میں اصلاح کرنے کے لیے کوئی سنجیدہ قدم نہیں اٹھایا جا رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ بنیاد سکڑتی جا رہی ہے۔ 2006ء میں ٹیکس دینے والوں کی تعداد 20 لاکھ تھی جبکہ 2014ء تک آتے آتے یہ تعداد دس لاکھ سے بھی کم رہ گئی ہے۔ حد یہ ہے کہ بنکوں کے لین دین پر ٹیکس ادا نہ کرنے والوں سے ہائر ایڈوانس انکم ٹیکس وصول کرنے کا خوب ڈھنڈورا پیٹا گیا لیکن اس کے خلاف تاجروں کے احتجاج پر اس کو معطل کر دیا گیا۔ اس لیے کہ موجودہ برسر اقتدار سیاسی جماعت کا حلقہء نیابت تاجر ہی ہیں۔ اور خدشہ ہے کہ آخر کار یہ ٹیکس مکمل طور پر واپس لے لیا جائے گا۔ ایف بی آر نے گزشتہ برس جی ڈی پی کا 9.7 فیصد بجٹ ٹارگٹ حاصل کرنا تھا لیکن اس میں اس کو سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس سال کے لیے اس کو 10.1 فیصد کا ہدف دیا گیا ہے۔ جدول 2 میں معروضی تخمینہ جات دیئے گئے ہیں۔ ایف بی آر کو اپنے نظر ثانی شدہ تخمینہ جات میں 50 ارب روپے کی اضافی رقم حاصل کرنے کے لیے انتھک کام کرنا ہوگا

جدول۔2۔ٹیکس ریونیو روپے (بلین میں)

	بجٹ 2014-15ء	نظر ثانی شدہ بجٹ 2014-15ء	بجٹ 2015-16ء
ایف بی آر ٹیکسز	2810.0	2605.0	3103.7
بلاواسطہ	1180.0	1109.0	1347.9
بالواسطہ	1630.0	1496.0	1755.8
قدرتی گیس پر سرچارج	46.4	30.0	30.0
گیس انفراسٹرکچر ڈویلپمنٹ سیس	145.0	145.0	145.0
پٹرولیم پر محصول	123.0	126.0	135.0
کل	3,129.2	2,910.2	3,418.2

بلاواسطہ ٹیکسوں میں 17.4 فیصد اضافے کے مقابلے میں بالواسطہ ٹیکسوں کے نظر ثانی شدہ تخمینہ جات پر اضافہ 21.5 فیصد تجویز کیا گیا ہے۔ یہ اضافہ کافی زیادہ ہے لیکن بنک کے لین دین پر لاگو ٹیکس میں اضافے کی معطلی سے بلاواسطہ۔ بالواسطہ بیلنس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ بالواسطہ ٹیکس کے نظام میں ودہولڈنگ اور ایڈوانس ٹیکسوں کی فوقیت ان کو بلاواسطہ نظام میں موثر طور پر تبدیل کر دیتی ہے۔ 2013-14ء کے دوران جمع کیا جانے والا 28 فیصد بالواسطہ ٹیکس رضاکارانہ ادائیگیوں پر مشتمل تھا۔ جبکہ 2012-13ء میں اس کا حصہ 31 فیصد تھا۔ اس سے یہ ضرورت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ حکام موثر عمل درآمد کریں اور موثر آڈٹ کے ذریعے اس کو روکا جائے۔ مطالبے پر جمع ہونے والی رقم نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈالا اور یہ حصہ دس فیصد بنتا ہے۔ یہ ٹیکس انتظامیہ اور آڈٹ کے نظام کا انتہائی کمزور عکس ہے۔ نتیجتاً بالواسطہ محصول کا 61 فیصد ودہولڈنگ ٹیکس کے ذریعے اکٹھا ہوا ہے۔ مزید برآں ودہولڈنگ ٹیکس کے ذریعے حاصل ہونے والی رقم نو مآخذوں میں مجتمع تھی۔

بالواسطہ ٹیکسوں کی بنیاد بھی بہت محدود ہے۔ صرف دس اجناس/اشیاء ایسی ہیں جو اندرون ملک جمع کردہ سیلز ٹیکس کا تین چوتھائی حصہ مہیا کرتی ہیں۔ درآمدات پر سیلز ٹیکس اسی قسم کی توجہ کا طالب ہے۔ اس سے بھی بدتر صورتحال یہ ہے کہ خدمات، سگریٹ، سیمنٹ، قدرتی گیس اور مشروبات ایسی پانچ اشیاء ہیں جن سے وفاقی ایکسائز ڈیوٹی کا 92 فیصد حاصل ہوتا ہے۔ تیل ایسی جنس ہے جس پر دنیا بھر میں ہر جگہ سب سے زیادہ ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو اس کی نگہداشت ہے جبکہ دوسری وجہ اس کو اکٹھا کرنے میں سہولت ہے۔ تاہم پاکستان میں اس سہولت کو اس حد تک استعمال کیا جاتا ہے کہ بالواسطہ ٹیکس کی کل آمدنی کا آدھا حصہ تو صرف تیل اور گیس سے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس بات کی وضاحت جدول 3 سے ہو جاتی ہے:

جدول۔3۔2014-15ء کے دوران بالواسطہ ٹیکسوں میں توانائی کا حصہ

پی او ایل مصنوعات پر ٹیکس	606.4
سلیز ٹیکس (درآمدات)	243.0 a
سیلز ٹیکس (اندرون ملک)	190.6 a
امپورٹ ڈیوٹی	69.3 b
پٹرولیم لیوی (ٹیکس)	103.5
قدرتی گیس پر ٹیکس	227.2
سلیز ٹیکس (اندرون ملک)	31.6
ایکسائز ڈیوٹی	12.1
گیس انفراسٹرکچر ڈویلپمنٹ سیس	145.0 c
گیس ڈویلپمنٹ سرچارج	38.5
توانائی سے متعلق تمام ٹیکس	833.6
کل بالواسطہ ٹیکسوں کا فیصد حصہ d	49.0

a بشمول ہائر جی ایس ٹی (28 فیصد)

b بشمول فرنس آئل پر عائد 12 فیصد ڈیوٹی

c بمطابق 2014-15ء

d جی آئی ڈی سی 2013-14ء کے لیے بالاستثناء 2014-15ء

ٹیکس اصلاحات میں سست رفتاری اس بڑے خلاء سے واضح ہو جاتی ہے جس کی نقشہ کشی 2009-10ء تا 2014-15ء کے درمیانی عرصے میں ساتویں این ایف سی ایوارڈ اور محصولات میں کی گئی ہے۔ مزید برآں اگر وفاقی حکومت سست روی سے کام لے رہی ہے تو ٹیکسوں کی وصولی کو منظم کرنے کے حوالے سے صوبائی حکومتیں جمود کا شکار ہیں۔ یہ تکلیف دہ صورتحال کی عکاسی جدول 4 سے ہوتی ہے۔ یکجا کردہ وفاقی اور صوبائی محصولات کے معاملے کے جہاں تک تعلق ہے تو 2009-10ء میں تخمینہ اور اصل وصولیوں کے درمیان فرق جی ڈی پی کا 0.7 فیصد پوائنٹس تھا۔ ہر آنے والے برس میں یہ فرق مسلسل بڑھتا رہا یہاں تک کہ 2013-14ء میں یہ فرق بڑھ کر جی ڈی پی کا 4.2 تک پہنچ گیا۔ 2014-15ء کے نظر ثانی شدہ بجٹ میں یہ کم ہو کر 3.5 رہ گیا۔ بہرحال اگر یہ رجحان معیار ہے تو پھر حقیقی معنوں میں جی ڈی پی اور وفاقی ٹیکس کے درمیان نسبت جو 2009-10ء میں 9.7 فیصد تھی وہ 2013-14ء میں کم ہو کر 9.3 فیصد ہو گئی۔ 2014-15ء کے نظر ثانی شدہ تخمینہ جات میں یہ فرق 10.5 فیصد دکھایا گیا ہے تو اس میں اس وقت کمی آ جائے گی جب حقیقی تخمینہ جات میسر ہوں گے۔ یکجا کئے جانے والے محصولات میں صوبائی حصہ بہت تھوڑا رہا ہے۔ وفاقی محصولات کی طرح صوبائی اندازے بھی جمع کئے جانے والے اصل محاصل کے مقابلے میں بڑے خوشگوار لگتے ہیں۔ بہرحال، جی ڈی پی کے تناسب سے صوبائی محصول ٹیکس میں جو ساتویں این ایف سی ایوارڈ سے قبل 0.4 فیصد تھا، اس میں 2014-15ء میں اضافہ کر کے ایک فیصد کر دیا گیا اس کی وجہ خدمات پر عائد سیلز ٹیکس کی صوبائی حکومتوں کو منتقلی تھی۔

جدول۔4۔7ویں این ایف سی ایوارڈ کے تحت تخمینہ سازی اور اصل وصولیاں

	2009-10ء	2010-11ء	2011-12ء	2012-13ء	2013-14ء	2014-15Rء
ٹیکس اور جی ڈی پی کے درمیان تناسب	10.0	9.4	9.9	9.6	10.1	11.5
وفاقی	9.7	9.1	9.4	8.9	9.3	10.5
صوبائی	0.4	0.4	0.5	0.7	0.7	1.0
ٹیکس، جی ڈی پی کا تناسب تخمینہ سازی	10.7	11.75	12.8	13.6	14.3	☆ 15
وفاقی	10.2	11.1	12	12.7	13.3	13.85
صوبائی	0.5	0.65	0.8	0.9	1	1.15
تخمینہ۔اصل	0.7	2.35	2.9	4.0	4.2	3.5
☆ 7ویں این ایف سی ایوارڈ کے وقت کے تخمینہ جات						

اخراجات کی کڑواہٹیں

محصولات کم ہونے اور تقریباً جامد ہونے کے باوجود موجودہ اخراجات بڑھ رہے ہیں جس کے باعث ترقیاتی اخراجات کے لئے جگہ محدود ہوکر رہ گئی ہے۔حالیہ بجٹ کا بجٹ کے ہدف سے آگے نکل جانے اور ترقیاتی اخراجات کا بجٹ کے ہدف سے پیچھے رہ جانے کا عمل 2014-15ء تک جاری رہا۔جاری اخراجات نظر ثانی شدہ ترقیاتی اخراجات 0.1 فیصد پوائنٹ تک کم ہوگیا۔ 2015-16ء کے بجٹ میں تجویز کیا گیا ہے کہ جاری اخراجات میں گزشتہ برس کے نظر ثانی شدہ تخمینہ کے مقابلے میں 1.4 فیصد کمی کی جائے۔اس تصور کو قابل قبول بنانے کے لئے سخت محنت کی ضرورت ہے۔اس لئے کہ اخراجات کی اصلاح کے حوالے سے بجٹ کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ جدول 5 متعلقہ معلومات فراہم کرتا ہے:

جدول 5۔اخراجات (جی ڈی پی کا فیصد)

	بجٹ 2014-15ء	نظر ثانی شدہ بجٹ 2014-15ء	بجٹ 2015-16ء	2016-17ء کے اندازے	2017-18ء کے اندازے
کل اخراجات	19.4	20.4	19.4	19.0	18.8
رواں	15.2	16.3	14.9	14.6	14.2
ترقیات	4.2	4.1	4.5	4.4	4.6

جدول 6 میں دیئے گئے کل خرچ کی تقسیم میں رواں خرچ کے دو اہم حصے سود کی مد میں کی جانے والی ادائیگی اور دفاعی اخراجات ہیں۔اندرونی قرضوں پر سود کی ادائیگی، جو کہ رواں بجٹ کا سب سے برا حصہ ہے، کم ہوجائے گی اور اس کا سبب منافع کی گرتی ہوئی شرح ہے۔دفاعی بجٹ کے حصہ میں مسلسل اضافے کا رجحان قائم ہے۔

جدول 6۔وفاقی حکومت کے اخراجات کی تقسیم (فیصد)

	بجٹ 2014-15ء	نظر ثانی شدہ بجٹ 2014-15ء	بجٹ 2015-16ء
A۔حالیہ/ رواں	80.51	82.19	78.23
سود کی ادائیگی	38.56	36.97	35.86
اندرونی قرضوں پر سود	28.47	27.62	26.25
غیر ملکی قرضوں پر سود	2.34	2.37	2.50
غیر ملکی قرضہ	7.75	6.98	7.11
دفاع اور شعبہ دفاع کی پنشن	20.47	20.96	21.46
گرانٹس اور ٹرانسفرز	8.62	9.89	9.21
سول حکومت اور پنشن	8.14	8.63	8.61
سبسڈی	4.72	5.74	3.9
B۔ترقیات	19.49	17.81	21.77
پی ایس ڈی پی	12.20	12.80	15.73
دوسرے	7.29	5.01	6.04
کل	100.00	100.00	100.00

2014-15ء میں ترقیاتی کاموں کے لیے کل بجٹ کا 19.49 فیصد حصہ مختص کیا گیا تھا جو 2014-15ء کے نظر ثانی شدہ تخمینہ جات میں کم ہوکر 17.81 فیصد ہوگیا۔رخصت ہوتے سال میں ہم آہنگی یا انضباط پیدا کرنے کا تقریباً سارا بوجھ ترقیاتی کاموں اور امدادی رقم یا عطیہ پر تھا۔ 2015-16ء کے بجٹ میں تجویز کیا گیا ہے کہ لوکل خرچ، لاگت یا مصارف میں ترقیاتی کاموں کے حصہ میں 21.77 فیصد اضافہ کیا جائے۔حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی رقم یعنی سبسڈیز جو دوسری انحطاط پذیر یا بگڑتی ہوئی مد ہے، میں بہت زیادہ کمی کی گئی ہے۔اس مقصد کے لئے کلھاڑا واپڈا اور بجلی پر چلایا گیا ہے۔نرخوں میں فرق کو پورا کرنے کے لئے حکومتی امداد کا تعین یا اختصاص میں سو فیصد کمی کردی گئی ہے۔مجموعی لحاظ سے حکومت کی طرف سے ملنے والی امدادی (سبسڈی) رقوم میں تب سے کمی آرہی ہے جب سے ملک نے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ساتھ ساختیاتی ہم آہنگی کے بہت سے معاملات کئے ہیں۔جدول 7 ظاہر کرتا ہے کہ حکومتی امداد یعنی سبسدی بل پر توانائی کے شعبہ کا غلبہ ہے۔لیکن اس میں ہمیشہ اس وقت کمی بیشی ہوتی ہے جب حکومت گردشی قرضے کے ایک بڑے حصے کے بوجھ کو اتارنا چاہتی ہے۔ 2015-16 کے بجٹ میں توانائی پر دی جانے والی سبسڈی میں اہم اور معنی خیز کمی نرخوں کی شرح میں اضافہ کرتی ہے۔تاہم اگر سال کے دوران اکٹھا ہونے والا گردشی قرضہ ادا کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا تو پھر اصل رقم ٹارگٹ سے بڑھ جائے گی۔خوراک اور زراعت پر دی جانے والی امداد رقوم (سبسڈیز) بہت چھوٹی ہیں اور ان کو رمضان پیکج، یوٹیلٹی سٹورز اور خصوصی شعبوں کے لئے تیار کئے گئے خصوصی مراعات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔بہرحال 2015-16ء کے دوران فاٹا میں گندم کی فروخت پر دی جانے والی سبسڈی جاری رکھی گئی ہے۔لیکن گلگت۔بلتستان میں گندم اور نمک پر دی جانے والی سبسدی ختم کردی گئی ہے۔ 2014-15ء اور 2015-16ء کے نظر ثانی شدہ بجٹ میں ''دوسری'' کیٹیگری کے تحت چینی کا برآمد کے لئے مختص کی گئی ہے اس کے علاوہ ٹریڈ ڈویلپمنٹ اتھارٹی آف پاکستان نے چینی کی برآمد پر کرائے میں رعائت کے طور پر سبسڈی دی جارہی ہے۔

جدول 7۔سبسڈیز (اربوں روپے میں)

سال	شعبہ توانائی	خوراک وزارعت	ریفائنریز	متفرقات	کُل
2009-10ء	178.8	22.2	11.2	1.3	213.5
2010-11ء	334.8	25.7	10.8	9.3	380.6
2011-12ء	464.0	35.3	6.2	7.5	512.19
2012-13ء	344.1	8.7	3.4	1.8	357.9
2013-14ء	292.3	12.5	0.0	0.9	305.7
2014-15Rء	221.0	17.7	0.0	4.6	243.3
2015-16Bء	118.0	17.3	1.0	1.3	137.6

خسارہ اور قرضہ

آمدنی اور اخراجات کا مذکورہ بالا تجزیہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ کل اخراجات حاصل ہونے والی کل آمدنی سے زیادہ ہیں۔ اگر یہ تجاوز آسانی سے قابو میں آسکے تو یہ دقّت طلب مسئلہ نہیں ہے اور اخراجات ان شعبوں پر کئے جائیں جو کم از کم اتنا منافع دے سکیں جس سے قابل ادائیگی قرض کی واپسی ممکن ہو سکے۔

جدول 8۔ مالی خسارہ اور سرکاری قرضہ

	بجٹ 2014-15ء	نظرثانی شدہ بجٹ 2014-15ء	بجٹ 2015-16ء	تخمینہ (پروجیکشن) 2016-17ء	تخمینہ (پروجیکشن) 2017-18ء
مالیاتی خسارہ	-4.9	-5.0	-4.3	-4.0	-3.5
محصولاتی خسارہ	-0.7	-0.9	0.1	0.4	1.1
کل سرکاری قرضہ	58.7	62.9	62.0	58.8	55.2

جدول 8 سے واضح ہوتا ہے کہ مالیاتی خسارہ کے ساتھ ساتھ قرضے میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ ریاست کی سالانہ آمدنی اتنی بھی نہیں ہے کہ اس سے رواں اخراجات ہی کو پورا کیا جا سکے۔ 2014-15ء کے بجٹ نے مالیاتی خسارہ کی حد جی ڈی پی کے 4.9 فیصد تک مقرر کردی ہے لیکن ختم ہونے والے مالی سال میں یہ خسارہ 5 فیصد رہا۔ بہر حال پچھلے برس کی نسبت سے یہ بہتری کی طرف سفر تھا اس لیے کہ 2013-14ء میں یہ خسارہ 5.5 فیصد تھا لیکن ایک بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ 2014-15ء کے بجٹ میں تخمینہ کی گئی آمدنی رواں اخراجات سے جی ڈی پی کے 0.7 فیصد تک کم ہے اور نظرثانی شدہ آمدنی کا خسارہ 0.90 فیصد سے بھی زیادہ تھا۔ اس کے سبب سرکاری قرضہ میں ہونے والے اضافہ کے ہدف کو جی ڈی پی کے 58.7 فیصد تک کا انتہائی ہدف مقرر کر کے سرکاری قرضے کو نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ اس کا مقصد صرف یہ دعویٰ کرنا تھا کہ حکومت قرضے کے اس بوجھ کو کم کرنے کی منصوبہ بندی کر رہی تھی جو مالیاتی ذمہ داری اور قرضے کی حد کے (فسکل رسپانسبلٹی اینڈ ڈیٹ لمیٹیشن) ایکٹ میں مقرر کردہ حد سے 60 فیصد سے بھی کہیں کم ہے۔ حیرت انگیز طور پر نظرثانی شدہ معلومات اور اعداد و شمار 62.9 فیصد کے بھاری قرض کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان نے 2014-15ء کے نو مہینوں (جولائی تا مارچ) کے جو اصل اعداد و شمار جاری کئے تھے، ان کے مطابق قرض اور جی ڈی پی کا تناسب جی ڈی پی کے 63.5 فیصد تک تھا جو حجم کے لحاظ سے زیادہ تھا۔ آمدنی میں خسارے کو ختم کئے بغیر قرضوں میں کمی کا مقصد کرنا مالیاتی ذمہ داری اور قرض کی حد (ایف آر ڈی ایل) کے ایکٹ کی ایک اور شرط ہے جو عام فہم اقتصادی منطق کو رد کرتی ہے۔ 2015-16ء کے بجٹ میں یہی غلطی پھر دوہرائی جا رہی ہے۔ کم مالی خسارے کا ہدف مالیاتی خسارے کو کم کئے بغیر 4.3 فیصد رکھا گیا ہے۔ قرضوں کو قائم رکھنے کا ایک اور اشارہ یہ ہے کہ آمدنی اور بلا منافع رواں اخراجات، نام نہاد ابتدائی خسارہ، جی ڈی پی کا 0.2 فیصد ہے۔ قرضے کا ہدف 62 فیصد مقرر کیا گیا ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ تیزی کے ساتھ گر کر 2017-18ء تک جی ڈی پی کے 55.2 فیصد کی کم ترین سطح پر آ جائے گا۔ حالانکہ اصل سطح کا انحصار خسارے کے حجم اور اس کی فنانسنگ کے ذرائع پر ہو گا۔

جدول 9۔ خسارے کی فنانسنگ (روپے اربوں میں)

A) وفاقی آمدنی (خالص)	2,463	مجموعی یا کل بیرونی قرضہ جات منفی ادائیگی کی واپسی	752 406
B) کل وفاقی اخراجات (i+ii)	4,089	طویل المدت بیرونی قرضے قلیل المدت بیرونی قرضے	316 89
i) رواں اخراجات	3,166	i) خالص غیر ملکی فنانسنگ	346
ii) ڈویلپمنٹ اور خالص سود پر قرض (اے+بی+سی)	923	ii) ملکی فنانسنگ (اے+بی)	982
a) وفاقی پی ایس ڈی پی	700	a) بنک فنانسنگ اس میں سٹیٹ بنک کی طرف سے فنانسنگ	283 0
b) دوسرے ترقیاتی اخراجات	164	b) نان بنک فنانسنگ	699
c) کل قرضے	58	سرکاری قرضے	395
c) وفاقی خسارہ (A-B)	-1,625	پبلک اکاؤنٹ	254
صوبائی سرپلس (فاضل)	297	نجکاری سے ہونے والی آمدنی	50
کل مالیاتی خسارہ	-1,328	خسارے کی کل فنانسنگ (i+ii)	1,328
جی ڈی پی کا فیصد	-4.3	جی ڈی پی کا فیصد	4.3

2015-16ء میں مالیاتی خسارہ کیسے پورا کیا جائے گا، اس کا تجزیہ جدول 9 میں کیا گیا ہے۔ پہلا غور طلب نکتہ یہ ہے کہ وفاقی خسارہ 1625 بلین روپے یا جی ڈی پی کا 5.3 فیصد ہے۔ دباؤ کے تحت صوبائی حکومتیں اپنے بجٹوں میں 297 بلین روپے کا اضافی بجٹ ظاہر کرنے پر مجبور کی جا رہی ہیں اور یہ دباؤ وفاقی حکومت کی طرف سے ہے جس کے باعث وفاقی خسارہ کم ہو کر 4.3 فیصد پر آ گیا ہے۔ یہ وہ عمل ہے جس کے ذریعے ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے باعث پیدا ہونے والے خلاء کو کم کیا جا رہا ہے تاکہ 18 ویں آئینی ترمیم کے تحت اپنے بہتر تحریری معاہدوں کی تعمیل کی جا سکے۔ 1328 بلین روپے کی بقایا رقم 74 فیصد اندرونی اور 26 فیصد بیرونی ذرائع سے فنانس کی جائے گی۔ بیرونی ذرائع سے ملنے والی امداد کا حصہ جان بوجھ کر کم نہیں رکھا گیا بلکہ اس کی وجہ معیشت کی حالت اور گورننس کے بارے میں قرض خواہوں کی تشویش ہے۔ 316 بلین روپے کے طویل المدت قرضوں اور 89 بلین روپے کے مہنگے قلیل المدت قرضوں کی واپس ادائی کے بعد بجٹ قرضوں کے مکمل داخلی پہلو اور 752 بلین روپے کی گرانٹس کے بقیہ کو بجٹ میں استعمال کیا جائے گا۔ ذرائع میں بین الاقوامی مالیاتی ادارے کا دوطرفہ ہدیہ کنندہ اور حکومت کی طرف سے بازار حصص میں متعارف کرائے گئے یورو بانڈ ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بیرونی قرض کا بوجھ اندرونی قرض کے بوجھ سے کہیں کم ہوتا ہے۔ یہ ملکی قرض کی نسبت سستا بھی ہوتا ہے۔ اگر غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر کم ہوں تو غیر ملکی کرنسی کی قدر میں کمی اسے تکلیف دہ بنا دیتی ہے۔

سرکاری قرض، اندرونی قرضوں کا سب سے بڑا جزو ہے جو مستقل قرض اور سیال قرضے پر مشتمل ہے۔ پاکستان انویسٹمنٹ بانڈز اول الذکر اور پرائز بانڈز اور ٹریژری بل موخر الذکر قرضے کا حصہ ہیں۔ پبلک اکاؤنٹ اندرونی قرضے کا دوسرا بڑا جزو ہے اور یہ بنیادی طور پر قومی بچت کی سکیموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح سے ایسا قرض ہوتا ہے جس کے لئے سرمایہ فراہم نہیں کیا جاتا۔ بنکوں سے ہٹ کر ان ذرائع کے باوجود کمی رہ جاتی ہے۔ بجٹ میں تجویز کیا گیا ہے کہ کمرشل بنکوں سے 283 بلین روپے ادھار لئے جائیں اور 50 بلین روپے نجکاری سے حاصل کئے جائیں۔ بدیہی طور پر سٹیٹ بنک سے لیا گیا قرضہ صفر دکھایا گیا ہے۔ سٹیٹ بنک سے لیا گیا قرض کو افراط سمجھا جاتا ہے اور آئی ایم ایف اس کے استعمال کے خلاف تجویز کرتا ہے۔ یہ 2014-15ء کے دوران صفر تھی۔ اس کے

باوجود حکومت نے کمرشل بنکوں سے بہت ہی بھاری شرح سود پر 1339 بلین روپے قرض لئے تھے۔کم ہوتی ہوئی شرح منافع کے ساتھ کمرشل بنکوں نے سٹیٹ بنک سے بے حد کم شرح سود پر قرض لئے اور حکومت کو بھاری شرح سود پر قرضے دے کر زبردست ہاتھ مارا۔ اس کے باعث حکومت پر سود کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔اس لئے کہ سٹیٹ بنک سے لئے گئے قرض پر سود بہت کم ہے۔حکومت کی طرف سے سٹیٹ بنک سے لئے جانے والے قرض کی حد مقرر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کمرشل بنکوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ قرضوں کا رخ نجی شعبہ کی طرف موڑیں۔اگر چہ حکومت کو قرض دینے میں نقصان کا اندیشہ بہت کم ہے لیکن اس کے باوجود 2014-15ء کے دوران نجی شعبہ کو دیئے جانے والے قرضے کی مقدار 194.5 بلین روپے یعنی گزشتہ برس کی نسبت 47 فیصد کم رہی۔

کمرشل بنکوں میں کل نقد اثاثوں کا 82 فیصد حکومتی زر شراکت پر مشتمل ہے۔حقیقی قرض اور جمع کروائی ہوئی رقم میں کمی کے باوجود دونوں کے درمیان فرق 3.64 فیصد ہے۔2014-15ء کی تیسری سہ ماہی میں بنکوں کے منافع میں بہتری آئی ہے۔ٹیکسوں کی ادائیگی سے پہلے اجراء کردہ حصص کی مالیت پر منافع مارچ 2014ء میں 21.3 فیصد سے بڑھ کر مارچ 2015ء میں 26 فیصد ہوگئی۔اس عرصے کے دوران ٹیکس کی ادائیگی کے بعد منافع کی شرح بھی 14.1 فیصد ہوگئی۔ملکی محاصل میں ہونے والے مالیاتی خسارے کے باعث نجکاری سے ہونے والی آمدنی مستحکم نہیں ہوتی۔2014-15ء کے بجٹ کا ہدف 198 بلین روپے تھا۔لیکن یہ ہدف سے کہیں کم یعنی 17.8 بلین روپے سے آگے نہیں بڑھ سکا۔اس کارکردگی کے پیش نظر 2015-16ء کے لئے بجٹ کا ہدف جو 50 بلین روپے ہے، مائل بہ رجائیت ہی کہلا سکتا ہے۔

رواں کھاتہ/رواں حساب کا خسارہ

معاشی استحکام کے حصول کے لئے رواں کھاتے میں خسارے کا حجم یا بیرونی خطرہ اور اس کی فنانسنگ یعنی سرمائے کی فراہمی کے ذرائع، اتنی ہی اہمیت کے حامل ہیں جتنا کہ ملکی محاصل کا خسارہ۔دنیا میں تیل اور دوسری اشیاء کی قیمتوں میں کمی سے حکومت کو موقع میسر ہوا کہ وہ بیرونی کھاتے کو مستحکم کرے۔تاہم توانائی (بجلی) کی کمی میں تسلسل اور دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ نے وزیر خزانہ کو اکسایا کہ وہ اپنا پسندیدہ راستہ اختیار کرتے ہوئے غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ کریں اور یہ اضافہ انہوں نے زیادہ تر قرضوں کے ذریعے اور روپے کو مضبوط کرنے کے لئے کیا۔بھیک، قرض اور خفیہ طور پر ہوشیاری اور چالاکی کی پالیسی اختیار کرکے انہوں نے ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر میں اضافہ کیا۔اس وقت ڈالر کی قیمت 110 روپے تھی جو کہ بڑھ کر 100 روپے ہوگئی۔روپے کو مضبوط کرنے سے برآمدات مہنگی اور درآمدات سستی ہوتی ہیں۔پلس کے ذریعے جو برتری حاصل ہوئی وہ بھی روپے کی قیمت میں اضافہ کے مقابلے میں کم ہوئی۔جولائی 2014ء سے مئی 2015ء تک کے دوران روپے کی قیمت میں حقیقی معنوں میں 7.8 فیصد اضافہ ہوا۔نتیجہ یہ ہوا (جیسا کہ جدول 10 میں ظاہر کیا گیا ہے) کہ 2014-15ء میں برآمدات میں 5.8 فیصد اضافے کا جو ہدف مقرر کیا گیا تھا، اس کے برخلاف برآمدات میں 4.9 فیصد کمی آئی۔بین الاقوامی سطح پر اشیاء کی قیمتوں میں کمی کے باعث پاکستان کی برآمدات پر کافی منفی اثرات مرتب ہوئے۔چاول کی برآمد میں 5.9 فیصد کمی ہوئی۔باسمتی کی برآمد میں 23.7 فیصد کمی آئی۔چھٹی کی برآمدات میں 28.3 فیصد کمی ہوئی۔مجموعی طور پر ٹیکسٹائل گروپ کو اپنی برآمدات میں 1.8 فیصد کمی کا سامنا کرنا پڑا۔صرف دو اشیاء ایسی تھیں جن میں قابل قدر اضافہ ہوا ان میں سے نٹ ویئر میں 5.4 فیصد اضافہ جبکہ ریڈی میڈ گارمنٹس کی برآمدات میں 10.1 فیصد کا اضافہ ہوا۔کاٹن کلاتھ کی برآمدات میں 11.4 فیصد کمی آئی جبکہ بستر کی چادروں وغیرہ کی برآمدات میں دو فیصد کمی آئی۔چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ جی ایس پی پلس کے اثرات میں ملا جلا رجحان سامنے آیا۔دوسری مصنوعات کی برآمدات میں 17.6 فیصد کمی آئی۔درآمدات میں بھی کمی کا رجحان پایا گیا تاہم یہ دو فیصد کی کم ترین شرح تک محدود رہا۔بہر حال ایک تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ ٹیکسٹائل مشینری کی درآمدات میں 25 فیصد کمی دیکھنے میں آئی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کے سب سے بڑے صنعتی شعبہ میں سرمایہ کاری میں دلچسپی تکلیف دہ حد تک کم ہوئی ہے۔

جدول 10۔غیر ملکی عدم تناسب (جی ڈی پی کا فیصد)

	2013-14ء	2014-15ء ہدف	2014-15ء نظر ثانی شدہ	2015-16ء ہدف
برآمدات میں اضافہ (%)	1.1	5.8	-4.86	5.5
درآمدات میں اضافہ (%)	3.8	6.2	-2.01	6.0
ترسیل زر (ملین ڈالروں میں)	15,837	16,673	1,8454	18,989
رواں کھاتے کا خسارہ (جی ڈی پی کا فیصد)	-1.3	-1.1	-0.8	-1.0
غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری (ملین ڈالروں میں)	1,699	4,317	709	3,344
سٹیٹ بنک کے ریزروز (ملین ڈالروں میں)	9,097	-	13,532	-

اشیاء کی قیمتوں میں کمی کے باعث فوائد بھی ہوئے۔جیسا کہ پام آئل کی درآمدات پر اٹھنے والے اخراجات میں 6.5 فیصد کمی آئی۔اسی طرح پٹرولیم کی 29 مصنوعات پر اٹھنے والے اخراجات میں 21.3 فیصد کمی آئی۔کم برآمدات اور درآمدات اور ترسیل زر میں ہونے والے 16.5 فیصد اضافے نے رواں کھاتے کے خسارے کو جی ڈی پی کے 0.8 فیصد تک محدود رکھا جبکہ اس کا ہدف 1.1 فیصد اور گزشتہ سال کے لئے 1.3 فیصد مقرر کیا گیا تھا۔برآمدات اور پیداواری مصنوعات جیسا کہ ٹیکسٹائل مشینری وغیرہ کی درآمدات میں کمی کے باعث رواں کھاتے میں کم خسارہ استحکام کا مظہر نہیں ہوتا۔غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری میں 58.2 فیصد کمی کا مطلب تھا کہ اس معمولی خسارے کو بھی قرض مہیا کرنے والے اداروں کے ذریعے پورا کیا جائے گا۔

افراط زر

افراط زر قوت خرید پر ہونے والے مالیاتی اور رواں کھاتے کے خسارے کے رد عمل یا اثر کو ظاہر کرتا ہے۔2014-15ء میں حکومت نے سٹیٹ بنک کی بجائے کمرشل بنکوں سے جو قرضے لئے تھے، ان کے سبب مالیاتی خسارہ کم ہوا، اس لئے کہ یہ فنانسنگ غیر افراطی تھی۔اسی طرح تیل اور پام آئل کی گرتی ہوئی قیمتوں نے رواں کھاتوں کو بہتر کیا اور صارفین پر بوجھ کو کم کیا۔پکانے کے تیل اور توانائی سے متعلقہ اشیاء کی کنزیومر پرائس انڈیکس میں کافی اہمیت ہے۔سی پی آئی میں 4.5 فیصد کمی ہوئی جبکہ 2013-14ء میں یہ کمی 8.6 فیصد تھی۔چونکہ ہول سیل پرائس انڈیکس (ڈبلیو پی آئی) میں ان اشیاء کی قیمتیں زیادہ ہیں اس لئے 2014-15ء کے دوران اس میں منفی تبدیلی (0.3۔فیصد) آئی جبکہ اس سے پچھلے برس یہ 8.2 فیصد تھی۔بین

الاقوامی قیمتوں میں کمی کا تھوڑا سا فائدہ صارفین تک پہنچایا گیا۔ اس لئے حکومت نے بھی اپنے مالیاتی خسارے کو کم رکھنے کے لیے اس ٹپکنے والے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔

جدول 11۔ افراطِ زر

سال	ہدف (سی پی آئی)	اصل (سی پی آئی)	اصل (خوراک)	اصل (ڈبلیو پی آئی)
2009-10ء	9.0	10.1	-	-
2010-11ء	9.5	13.7	-	-
2011-12ء	12.0	11.0	-	-
2012-13ء	9.5	7.4	-	-
2013-14ء	8.0	8.6	9.0	8.2
2014-15ء	8.0	4.5	3.5	0.3-
2015-16ء	6.0	-	-	-

بڑے معاشی (میکرو اکنامک) نظام کا استحکام

جزئیات سے قطع نظر بڑے معاشی نظام یعنی میکرو اکنامک کے استحکام کا اندازہ مالی خسارے، رواں کھاتے کے خسارے اور افراطِ زر یا قیمتوں میں عام اضافے اور سکے کی قدر میں کمی کے حجم سے لگایا جاتا ہے۔ مالی خسارہ ظاہر کرتا ہے کہ حکومت کس قدر قرض لینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ جدید غیر متعصبانہ سوچ کے مطابق خسارہ فی نفسہٖ بُری چیز ی ہے اس لیے کہ اس سے قرضے کا بوجھ بڑھتا ہے۔ ایندھن کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے جس کے سبب بین الاقوامی سطح پر ہونے والی بہتری رفتہ رفتہ مٹ جاتی ہے۔ ایک لحاظ سے مالی خسارہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ مالیاتی ذمہ داری اور قرض کی تحدید (ایف آر ڈی ایل) کے ایکٹ مجریہ 2005ء کا تقاضا یہ ہے کہ فاضل آمدنی کو برقرار یا قائم رکھا جائے۔ اس کے علاوہ کل حکومتی قرض کو جی ڈی پی کے ساٹھ فیصد سے کم رکھنا بھی اس ایکٹ کا تقاضہ ہے۔ دوسرا نکتہ نظر یہ ہے کہ قرضے لینے کا مقصد اور اس کے ذریعہ کو پیش نظر رکھا جائے تا کہ مال خسارے کے حجم کا تعین ممکن رہے۔ اس معاملے میں ترقیاتی کاموں اور ترقی پذیر معیشت میں سرمایہ کاری یا معیشت کی تمام شکلوں میں پیدا ہونے والی کساد بازاری ایک ناگزیر برائی ہے۔ اس سلسلے میں کوئی بندھے ٹکے اصول نہیں ہیں لیکن جی ڈی پی کے 3 تا 4 فیصد تک مالیاتی خسارے کے بارے میں پاکستان کے حوالے سے سمجھا جاتا ہے کہ اس پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ 2014-15ء میں 5 فیصد مالی خسارے کے حصول نے حکومت کو حوصلہ دیا ہے کہ 2015-16ء کے لیے 4.3 فیصد کا ہدف مقرر کرے۔ اسی طرح جی ڈی پی کا ایک فیصد کا ہدف رواں کھاتے کے بیلنس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ نہ تو مالیاتی خسارے کا ہدف معتبر ٹیکس اصلاح کی بنیاد پر مقرر کیا گیا ہے اور نہ ہی بیرونی خسارے کی کمی کو برآمدات سے متعلق کسی حکمت عملی سے سہارا مہیا کیا گیا ہے۔ مستحکم روپے کی پالیسی کے باعث شرح مبادلہ کے تلون یا اس میں اضافے کے رجحان پر قابو پانے میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ تلون کے حوالے سے رائٹرز انڈکس 2013-14ء میں 0.44، 2014-15ء میں 1.67 اور حالیہ 4.07 ظاہر کرتا ہے۔ ہم چین میں ہونے والے تخفیف زر کی نقل کرتے ہوئے یہاں بھی مسابقتی تخفیف زر کی گئی لیکن ہم یہ بھول گئے کہ چین کی معیشت دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہے۔ ہم چین سے بھی پہلے سے روپے کی قدر میں کمی کرتے چلے آرہے ہیں۔ افراطِ زر میں کمی کے ذریعے حاصل ہونے والے فوائد کا انحصار اشیاء کی بین الاقوامی عبوری قیمتوں پر ہوتا ہے۔ اچانک ابال سے افراطِ زر کے دباؤ کا خطرہ شدت اختیار کرجاتا ہے خصوصاً اس صورتحال میں جب ہمارے ہاں اس کی روک تھام کے انتظامات ناپید ہوں۔

اقتصادی نمو

وزیرِ خزانہ نے عدم استحکام کے خلاف جنگ میں فتح کا اعلان کردیا اور کہا ہے کہ نمو کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو پھاندلیا گیا ہے۔ معاشیات کبریٰ کا استحکام کم سے درمیانی مدت کے عمل یا طریق کار جو طلب سے وابستہ ہوتا ہے کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اور عام طور پر اس کو قومی معاشیات میں سخت مالی اور تنبیہی پالیسیوں کے ذریعے سادگی کی مہم کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس کا مطلب افراطِ زر کی کم شرح ہے۔ اس طرح جو استحکام حاصل کیا جاتا ہے وہ سپلائی کے شعبہ میں بہتر کارکردگی کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اس کا اظہار جی ڈی پی کی اعلیٰ نمو میں ہوتا ہے۔ صارفین کی قوت خرید اگر بہتر ہوتی ہے اور وہ خرچ کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ کار کا سرمایہ کاری میں اعتماد بہتر ہوتا ہے تو اس سے نمو کو مہمیز لگتی ہے۔ کم افراطِ زر کو برآمدات میں اضافہ کی شکل مل جاتی ہے۔ یکساں اور متواتر نمو اور قیمتوں میں استحکام بھی سود کی شرحوں کو کم رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور یہ صورتحال سرمایہ کاری کے لیے بے حد فائدہ مند ہوتی ہے۔ مستحکم معیشت سے مستحکم توقعات جنم لیتی ہیں اور جنم لینے والی یہ مستحکم توقعات غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری کے عمل کو تیز کرنے میں فیصلہ کن عنصر کا کام کرتی ہیں۔

جدول 12۔ شرح نمو (فیصد)

اشاریہ	2013-14ء	ہدف 2014-15ء	حقیقی 2014-15ء	اصل ہدف 2015-16ء	پروجیکشن 2016-17ء	پروجیکشن 2017-18ء
جی ڈی پی	4.0	5.1	4.2	5.5	6.5	7.0
زراعت	2.7	3.3	2.9	3.9	-	-
صنعت	4.5	6.8	3.6	6.4	-	-
خدمات	4.4	5.2	5.0	5.7	-	-
فنانس اور انشورنس	4.2	5.8	6.2	6.5	-	-

اس صورتحال نے وزیرِ خزانہ کو مجبور کردیا ہے کہ وہ معیشت کے لیے رجائیت پسندانہ نمو کا راستہ اختیار کریں۔ جدول 11 متعلقہ اعداد ظاہر کرتا ہے۔ 2014-15ء میں ہونے والی 4.2 فیصد کامیابی کے مقابلے میں گزشتہ برس کے دوران کامیابی کا تناسب 4 فیصد تھا۔ 2015-16ء کے لیے جی ڈی پی کی شرح نمو کا ہدف بڑھا کر 5.5 فیصد مقرر کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ 2014-15ء میں یہ ہدف 5.1 فیصد تھا لیکن 0.9 فیصد فیصد کم پوائنٹس سے یہ ہدف پورا نہ کیا جاسکا۔ حالیہ سال کا ہدف پچھلے برس کے اصل ہدف سے 1.3 فیصد پوائنٹس زیادہ ہے۔ توقع کی جارہی ہے کہ آئندہ دو برسوں میں شرح نمو 7 فیصد کی سطح تک پہنچ جائے گی۔

جدول 13۔ جی ڈی پی اور شعبہ جاتی نمو

سال	2006-07	2007-08	2008-09	2009-10	2010-11	2011-12	2012-13	2013-14	2014-15	2015-16T
جی ڈی پی	5.54	4.99	-0.36	2.58	3.62	3.84	-3.708	4.0	4.2	5.5
اہم فصلیں	6.49	-4.12	8.42	3.74	1.50	7.87	0.2	8.0	0.3	3.2
بڑے پیمانے پر مینوفیکچرنگ	9.58	6.10	-6.04	0.41	1.66	1.13	4.2	4.0	2.4	6.0
ہول سیل ریٹیل اور ٹریڈ	5.84	5.69	-.299	1.79	2.11	1.66	3.53	3.98	3.38	5.5

تعداد میں بڑھتے ہوئے بیروزگاروں کو روزگار مہیا کرنے اور آئین میں دیئے گئے سماجی اور انسانی حقوق مہیا کرنے کے لیے اعلیٰ نمو کے خط حرکت کی پیروی بے حد ضروری ہے۔ یہ دیکھنا بھی لازم ہے کہ معیشت کو کم شرح نمو کی طرف واپس دھکیلنے والے عوامل کون سے ہیں اور کیا ان پر قابو

پایا جاسکا ہے یا اس میں زیادہ تر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آخری بار 5.5 فیصد کی شرح نمو جو کہ رواں ہدف ہے، دس سال قبل 2006-07 (جدول 13) میں حاصل کی گئی تھی۔

2008-09ء میں بڑھوتری یا نمو میں 0.36 فیصد تک کمی آئی۔ یہ کمی کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اس میں آہستہ آہستہ لیکن تسلسل کے ساتھ بہتری آتی گئی۔ تا آنکہ چھ سال بعد یہ 4.2 فیصد تک پہنچی۔ پاکستان میں یہ بڑھوتری پانچ اہم فصلوں، بڑے پیمانے پر مینوفیکچرنگ اور ہول سیل اور ریٹیل تجارت کے ذریعے آتی ہے۔ اگرچہ ہماری معیشت کے ایک تہائی کے قریب ان ذرائع سے ہی تقویت حاصل کرتی ہے۔ یہ وہ شعبے ہیں جن میں کوالٹی، انفارمیشن کے باعث دوسرے شعبوں کی نسبت حقیقی بڑھوتری کا بہتر اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جدول 13 یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ نہ صرف ہماری اہم فصلیں موسموں، سیلابوں اور بین الاقوامی قیمتوں کے حوالے سے غیر محفوظ ہوتی ہیں بلکہ بڑے پیمانے پر ہماری مینوفیکچرنگ، بجلی کی کمی، امن وامان کی بُری حالت اور نااہلی سے ہونے والے نقصانات پورے نہیں کرسکی۔ برآمدات میں کمی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس صورتحال کی تصدیق کرتی ہے۔ ہول سیل اور ریٹیل ٹریڈ اشیائے صرف کے شعبہ کی کارکردگی کا واضح اظہار ہے۔

توانائی کے بارے میں غفلت

ملکی اور غیر ملکی محققین نے کم ہوتے جی ڈی پی کی اہم وجوہ کو دستاویزی شکل دی ہے۔ ان اہم وجوہ میں بجلی اور گیس کی شدید کمی کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کا پھیلاؤ ہے جس نے غیر یقینی صورتحال پیدا کردی ہے۔ مسئلہ کی گمبھیرتا کے حوالے سے عوامی ردعمل تناسب کے مقابلے میں کم ہے۔ توانائی، انتہا پسندی اور تعلیم کو پاکستان مسلم لیگ ن کے انتخابی منشور کا حصہ بنایا گیا تھا۔ یہ تینوں شعبے مسلم لیگ ن کی ترجیحی فہرست کا حصہ تھے۔ حکومت تسلسل کے ساتھ یہ وعدہ کرتی چلی آرہی ہے کہ وہ 2017-18ء تک 10,400 میگاواٹ بجلی کا اضافہ کردے گی۔ یہ دعوے بھی ہیں کہ بجلی کی پیداواری قیمت کم کی جائے گی اور ٹرانسمشن میں ہونے والے نقصانات پر قابو پالیا جائے گا۔ شروع شروع میں 500 ارب روپے کے گشتی قرضے ادا کرنے کی کوشش کی گئی۔ موجودہ حکومت کے تیسرے برس میں ترقی کا سفر محدود ہوگیا اور بجلی کی شدید کمی معیشت کو بُری طرح متاثر کررہی ہے۔ توانائی کی پالیسی واضح نہیں ہے۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا ہے جیسے حکومت گیس اور زیادہ تر درآمدی گیس مہیا کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کے تصور پر بھی حکومت کی سوئی اٹکی ہوئی ہے۔ تھرکول بمقابلہ درآمدی کوئلے کے حوالے سے مخصوص مفادات کے درمیان رسہ کشی جاری ہے۔ ماحولیاتی تبدیلی اور کوئلے پر انحصار کم کرنے کے حوالے سے عالمی رجحانات کے حوالے سے کوئی بحث مباحثہ نہیں ہورہا اور نہ ہی حکومتی سطح پر اس حوالے سے کوئی ہلچل نظر آرہی ہے۔ تیل کی قیمتوں میں کمی کے باعث جو موقع میسر آیا ہے، اس کو بھی ہم نے سیاسی شعبدہ بازی کا شکار کرکے اس سے اپنی جان چھڑوالی۔ پالیسی کے بارے میں ایک سے زیادہ متضاد تصورات اور حکمتِ عملی کے سبب 2017-18ء تک لوڈشیڈنگ کا خاتمہ ممکن نظر نہیں آتا۔ توانائی پالیسی کی ناکامی سے نظر آتا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے متعلق غیر یقینی صورتحال کے باعث نجی سرمایہ کار توانائی کے شعبے میں طویل المدت سرمایہ کاری سے دور رہا۔ حکومت یہی امید کرتی رہی ہے کہ نجی سرمایہ کار بڑھتی ہوئی مانگ سے ہونے والے منافع کو حاصل کرنے کے لیے بھاگتے چلے آئیں گے۔ اس کا اظہار پبلک سیکٹر ڈویلپمنٹ پروگرام میں دی گئی ترجیحات سے ہوتا ہے۔ جدول 14 سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت کی اولین ترجیح توانائی نہیں بلکہ سڑکیں ہیں۔ 2015-16ء کے بجٹ میں واپڈا (بجلی) اور اٹامک انرجی کمیشن مشترکہ طور پر نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے 17.3 فیصد حصے کے مقابلے میں 15.5 فیصد وصول کرتے ہیں۔ ٹی ڈی سی اینڈ سکیورٹی کے لیے خصوصی ترقیاتی پروگرام کا حصہ 17.3 فیصد ہے اور یہ بھی ان علاقوں کی سکیورٹی کے لیے دیا جاتا ہے جہاں چائنہ پاکستان اکنامک کاریڈور کے تحت انفرانسٹرکچر تعمیر کیا جائے گا۔

جدول 14۔ مسخ شدہ ترقیاتی ترجیحات

	بجٹ 2014-15ء	نظرثانی شدہ 2014-15ء	بجٹ 2015-16ء	فیصد حصہ 2015-16ء
نیشنل ہائی وے اتھارٹی	111.6	109.4	159.6	17.3
واپڈا (بجلی)	63.6	49.4	112.3	12.2
ایٹمی توانائی کمیشن	51.5	59.3	30.4	3.3
خصوصی ترقیاتی پروگرام برائے ٹی ڈی سی اور سکیوٹی	-	45.0	100.0	10.8
پانی	43.4	46.1	30.1	3.3
خصوصی وفاقی ترقیاتی پروگرام	36.0	10.0	28.5	3.1
پاک ایم ڈی جیز پروگرام	12.5	12.5	20.0	2.2
وزیراعظم کا یوتھ پروگرام	-	7.0	20.0	2.2
دوسرے ترقیاتی پروگرام (بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام وغیرہ)	161.8	132.3	164.0	17.8

کم ہوتی سرمایہ کاری

اوپر کے جدول میں ہم نے دیکھا کہ توانائی کی کمی اور سکیورٹی کے فقدان نے خصوصی طور پر مینوفیکچرنگ جیسے بڑے پیمانے کے فعال شعبہ کی نمو کو انتہائی مشکل صورتحال سے دوچار کردیا ہے جبکہ عمومی طور پر جی ڈی پی کی نمو کو متاثر کیا ہے۔ معیشت میں سست روی کے عمل کا بنیادی سبب کم ہوتی اور گرتی ہوئی سرمایہ کاری ہے۔ جو چیز اہم ہے وہ ہے طے شدہ سرمایہ کاری۔ مثال کے طور پر کارخانہ (پلانٹ)، آلات، مشینری اور دوسرے مادی اثاثوں میں سرمایہ کاری۔ 2015-16ء کے بجٹ میں جی ڈی پی کے 16.1 فیصد غیر معمولی ہدف کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ 2008-09ء میں 15.9 فیصد کا اعلیٰ ترین ہدف حاصل کیا گیا تھا اور 2015-16ء میں یہ ہدف حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ 2008-09ء سے سرمایہ کاری کی شرح 12.5 سے 14 فیصد کے درمیان رہی ہے۔ کسی ایک سال میں جی ڈی پی کے 2.6 فیصد پوائنٹس کے برابر ہے جو ایک بڑی کامیابی ہے جبکہ 2014-15ء میں یہ 13.5 فیصد تھی۔ تقریباً تمام تر اضافہ نجی شعبہ سب سے ہی متعلق ہے۔ نجی شعبہ سب سے زیادہ متحرک اور فعال ہے اور جس کا شمار بڑے پیمانے پر مینوفیکچرنگ شعبے کے طور پر ہوتا ہے۔ تاہم جدول 15 سے ظاہر ہوتا ہے کہ سات میں سے پانچ برسوں کے دوران حقیقی معنوں میں منفی نمو ہوئی ہے۔

جدول 15۔ سرمایہ کاری کے رجحانات (جی ڈی پی کا فیصد)

سال	2008-09	2009-10	2010-11	2011-12	2012-13	2013-14	ہدف 2014-15	نظرثانی کے بعد 2014-15	ہدف 2015-16
کل مخصوص یا تعین شدہ سرمایہ کاری	15.9	14.2	12.5	13.5	13.4	13.4	14.1	13.5	16.1
سرکاری سرمایہ کاری	4.3	3.7	3.2	3.7	3.5	3.4	3.8	3.9	4.0

نجی سرمایہ کاری	11.7	10.5	9.3	9.7	9.8	10.0	10.3	9.7	12.2
بڑے پیمانے کی مینوفیکچرنگ میں حقیقی سرمایہ کاری (%نمو)	-4.87	-34.20	-22.71	-0.69	22.08	1.4	-	-13.0	-

ابھرتی ہوئی معیشتوں کے مقابلے میں پاکستان میں بچت کی شرح بہت ہی کم ہے۔ بھاری شرح نمو حاصل کرنے کے لیے پاکستان کو ہمیشہ بڑے پیمانے پر داخلی بہاؤ کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر 1960ء کی دہائی میں ہونے والی اعلیٰ نمو کے باعث جو غیر ملکی امداد ملی اس کا حجم جی ڈی پی کا 8.5 فیصد تھا اور جو کُل سرمایہ کاری کا پچاس فیصد تھا۔ یہی کہانی 1980ء کی دہائی اور پھر 2000 کی دہائی میں دوہرائی گئی حالانکہ داخلی بہاؤ کسی قدر کم تھے۔ حال ہی میں ان بہاؤ میں بہت زیادہ کمی آئی ہے اور اس کی وجہ قومی بچتوں میں سرمایہ کاری میں تاریخ کی سب سے بڑی کمی ہے۔ اندرونی بچت، جس میں ہمیشہ بڑھتی ہوئی بیرون ملک سے آنے والی رقوم شامل نہیں ہیں، میں بھی کافی کمی ہوئی ہے۔ جدول 16 ظاہر کرتا ہے کہ خالص بیرونی سرمائے کے ملک کے اندر آنے کا حجم جی ڈی پی کا 0.6 فیصد ہے جو بے حد کم ہے۔ اسی سال کے دوران غیر ملکی بلاواسطہ سرمایہ کاری جی ڈی پی کا صرف 0.2 یصد رہی۔ 2015-16ء کے لیے جو منصوبہ تیار کیا گیا ہے، اس کے مطابق قومی بچتوں کی شرح میں اضافہ ہوگا اور یہ شرح 14.5 فیصد سے بڑھ کر 16.8 فیصد تک پہنچ جائے گی اور بیرون ملک سے ترسیل زر کا حجم بڑھ کر تقریباً دوگنا ہو جائے گا۔ عوامی بچت صفر ہونے کے باعث اور اندرونی نجی بچت میں جمود اور مندا ہونے کے سبب سرمایہ کاری کا ہدف اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے۔ البتہ یہ سی پی ای سی کے تحت ہو تو اس کو ہمت افزائی والی بات سمجھا جا سکتا ہے۔ بہرحال میمورنڈم آف انڈرسٹینڈنگ، حتمی معاملوں، مالی امور کی بندش اور حقیقی سرمایہ کاری کے درمیان زمانے کا کچھ فرق موجود ہے۔ بذات خود طبیعاتی تشکیل میں ایک سال سے زیادہ کا وقفہ تھا۔ جی ڈی پی کے فیصد تناسب کے طور پر بچت اور سرمایہ کاری کے درمیان خلاء جو 2013-14ء میں 1.3 تھا 2014-15ء میں کم ہو کر 0.6 فیصد رہ گئی۔ لیکن یہ بھاری بچت کی نسبت کم سطح کی سرمایہ کاری کو ظاہر کرتی ہے۔ 2015-16ء کے لئے سرمایہ کاری کا غیر معمولی ہدف، اس خلاء کو جی ڈی پی کے کم از کم 0.9 فیصد تک بڑھائے گا۔

جدول 16۔ مالیات کی سرمایہ کاری (جی ڈی پی کا فیصد)

	2012-13ء	2013-14ء	ہدف 2014-15ء	نظرثانی شدہ 2014-15ء	ہدف 2015-16ء
مجموعی سرمایہ کاری (بشمول موجود سٹاک)	15.0	15.0	15.7	15.1	17.7
قومی بچتیں	13.9	13.7	14.6	14.5	16.8
خالص غیر ملکی اندرونی بہاؤ	1.1	1.3	1.1	0.6	1.0
غیر ملکی بلاواسطہ سرمایہ کاری	0.5	0.6	1.5	0.2	1.2

صوبائی مالیاتی امور

اٹھارہویں ترمیم کے تحت صوبوں کو اختیارات کی منتقلی کے بعد حقوق اور عوامی خدمات کی تقسیم بڑی حد تک صوبائی معاملہ ہو گیا۔ ساتویں این ایف سی کے تحت وفاق اور صوبوں کے درمیان وسائل کے قابل تقسیم مشترکہ فنڈ کی تقسیم کے فارمولے میں تبدیلی آ گئی جو چھوٹے صوبوں کے حق میں تھی۔ چنانچہ وسائل میں بڑھوتری کے ساتھ ساتھ صوبوں کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اضافی وسائل کی تفصیلات جدول 17 میں پیش کی گئی ہیں۔ جدول کے پہلے حصے میں ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے تحت وسائل کی منتقلی ظاہر کی گئی ہے جبکہ دوسرے حصے میں تخمینہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے بغیر کس قدر وسائل منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ تیسرے حصے میں ان دونوں کے درمیان فرق کو ظاہر کیا گیا ہے اس میں دیکھا جا سکتا ہے کہ ہر صوبے نے حقیقی معنوں میں زیادہ حصہ وصول کیا۔ آبادی کو اس معاملے میں ترجیح نہیں دی گئی جس کے باعث پنجاب متاثر ہوا۔ چنانچہ حتمی صورتحال ظاہر کرتی ہے کہ پنجاب کو پہلے سے ملنے والے حصے سے کم نہیں ملا۔ حقیقی اثرات کا اندازہ صرف متعلقہ صورتحال احوال سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ یہ جدول کے آخری حصے میں کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ ہونے والی بہت زیادہ بڑھوتریاں بلوچستان کے حوالے سے ہیں اور اس کے بعد خیبر پختونخوا آتا ہے۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ صوبوں کے وسائل میں کل اضافہ گزشتہ 17.5 فیصد کے مقابلے میں 26 فیصد ہے اور اس کی وجہ جی ڈی پی کی شرح کے مقابلے میں ٹیکس کی تصویر کشی (پروجیکشن) ہے جو بامعنی اصلاح کے بغیر تصور کی گئی ہے۔

اٹھارہویں ترمیم کے تحت وزارتوں اور محکموں کے حوالے سے اختیارات کی تقسیم تو ہوئی لیکن بڑے اور اہم ٹیکس وفاقی حکومت کے پاس ہی رہے۔ ترمیم نے وضاحت کر دی کہ خدمات پر لاگو سیلز ٹیکس صوبوں کے پاس چلا گیا ہے۔ مزید برآں ترمیم کے سبب جائیداد کی وراثت پر ڈیوٹی اور اسٹیٹ ڈیوٹی کو وفاقی **لیجسلیٹیو** سے خارج کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اب صوبوں کے پاس یہ اختیار ہے کہ وہ یہ ٹیکس عائد کر سکتے ہیں لیکن عملاً ایسا ہوا نہیں ہے۔ آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس کے حوالے سے بھی اختیارات صوبوں کو منتقل نہیں ہوئے۔

جدول 17۔ 7واں این ایف سی ایوارڈ اور صوبائی مالی امور (روپے بلین میں)

	پنجاب	سندھ	خیبر پختونخواہ	بلوچستان	ٹوٹل
این ایف سی ٹرانسفرز ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے مطابق					
2010-11 آر ای	469	264	188	111	1052
2011-12 آر ای	591	346	229	124	1289
2012-13 آر ای	583	335	235	142	1295
2013-14 آر ای	659	389	266	150	1464
2014-15 بی ای	813	475	296	170	1753
این ایف سی ٹرانسفرز اور گرانٹس بمطابق حکمنامہ تقسیم مجریہ 2006ء					
2010-11 آر ای	397	244	130	64	835
2011-12 آر ای	504	269	165	78	1015
2012-13 آر ای	524	281	172	78	1055
2013-14 آر ای	596	326	203	94	1219
2014-15 بی ای	731	397	250	115	1492
7ویں این ایف سی ایوارڈ کا ٹوٹل ٹرانسفرز اور گرانٹس پر اثر					
2010-11 آر ای	72	40	58	47	217
2011-12 آر ای	88	76	64	46	274
2012-13 آر ای	60	54	63	64	240
2013-14 آر ای	63	63	63	57	245
2014-15 بی ای	82	78	46	55	261
نسبتی/اضافی اثر (فیصد)					
2010-11 آر ای	18.1	16.4	44.8	73.1	26.0
2011-12 آر ای	17.4	28.4	38.9	59.4	27.0
2012-13 آر ای	11.4	19.2	36.6	81.9	22.8

2013-14بی ای	10.6	19.2	31.0	60.3	20.1
2014-15 آر بی	11.2	19.8	18.4	47.8	17.5

ذرائع۔ایس پی ڈی سی،(سوشل پالیسی اینڈ ڈویلپمنٹ سنٹر) کراچی

خدمات پر جی ایس ٹی

اٹھارہویں ترمیم اور ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے تحت سامنے آنے والا ایک اہم پہلو صوبوں کو خدمات پر عائد جی ایس ٹی کے نفاذ کی صوبوں کو منتقلی تھا۔اگر وفاقی حکومت واقعی جی ڈی پی کے تناسب سے ٹیکس میں اضافہ کرنے نہیں جا رہی تو صوبے تو کہیں زیادہ نکلے ہیں۔اگر صوبائی ٹیکس ہمیشہ کی طرح ساکت وجامد رہا تو خدمات پر جی ایس ٹی کے اضافے کی وجہ سے تمام ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی میں تین گنا اضافہ ہوا ہے۔یہ سب سے بڑا صوبائی ٹیکس بن چکا ہے۔سندھ نے پہلے ہی سال کے دوران فائق حیثیت حاصل کرلی جس کے بعد پنجاب کی باری آتی ہے حالانکہ ابتداء میں پنجاب پس وپیش کرتا رہا۔خیبر پختونخوا اور بلوچستان اس میں دیر بعد شریک ہوئے۔

جدول18۔صوبوں میں ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی میں خدمات پر جی ایس ٹی کا حصہ۔

(روپے بلین میں)

	صوبوں میں ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی	خدمات پر جی ایس ٹی	صوبائی ٹیکسوں سے آمدنی میں جی ایس ٹی اور خدمات کا حصہ
* 2011-12ء	107.2	74.9	69.9
** 2012-13ء	150.7	76.3	50.6
*** 2013-14ء	190	103.5	54.5
2014-15 Bء	294.6	157.9	53.6
2014-15 REء	245.3	108.1	44.1
2015-16Bء	309.8	147.8	47.7

☆ٹیکس جمع کرنے کی ذمہ داری — خدمات پر سیلز ٹیکس کی ذمہ داری ایس بی آر نے خود لے لی۔

☆☆ خدمات پر سیلز ٹیکس — کے پی آر اے ایف نے سیلز ٹیکس جمع کرنے کی ذمہ داری لے لی۔

☆☆☆ خدمات پر سیلز ٹیکس — خیبر پختونخواہ نے سیلز ٹیکس جمع کرنے کی ذمہ داری خود لے لی۔

تعلیم کا حق

ابتدائی تعلیم اب آئینی حق بن چکی ہے۔تعلیم کے لیے مختص اخراجات کا بڑا حصہ ابتدائی تعلیم کے لیے ہے۔پاکستان مسلم لیگ (ن) نے جی ڈی پی کا 4 فیصد مختص کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ تعلیم پر اُٹھنے والے اخراجات 4 فیصد سے کہیں کم ہیں۔یہ 2 فیصد سے بھی کم ہو چکے ہیں لیکن حالیہ بجٹوں سے لگتا ہے کہ اس کو جی ڈی پی کے دو فیصد سے زیادہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔تاہم 2015-16ء کے لیے 2.13 فیصد کا ہدف مقرر کیا گیا ہے جو کہ گزشتہ برس کی نسبت کم ہے۔گزشتہ برس یہ 2.21 فیصد تھا۔تعلیم کے لیے اخراجات کے حوالے سے خیبر پختونخوا کہیں آگے ہے جہاں کل بجٹ کا ایک چوتھائی تعلیم کے لیے رکھا گیا ہے۔ان اخراجات میں کی جانے والی کوتاہی کا اظہار 2013-14ء کے لیے پی ایس ایل ایم کے سروے سے ہوتا ہے۔گزشتہ برس کی نسبت ابتدائی تعلیم میں داخلے کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور یہ 57 فیصد کی کم سطح پر ہی ہے جبکہ دوسرے اہم اشاریے مثلاً شرح خواندگی، صنفی برابری کا انڈکس (جی پی آئی) برائے ابتدائی تعلیم اور یوتھ لٹریسی جی پی آئی میں انحطاط آیا ہے۔

جدول19۔تعلیم پر اخراجات (ٹوٹل کا فیصد)

	بجٹ برائے 2014-15ء	نظرثانی شدہ برائے 2014-15ء	بجٹ برائے 2015-16ء
وفاق	2.0	2.2	2.1
پنجاب	6.3	19.9	19.2
سندھ	19.8	19.9	19.9
خیبر پختونخوا	26.4	27.2	24.5
بلوچستان	12.2	11.8	15.8
ٹوٹل	6.0	8.9	8.9

صحت سب کے لیے؟

صحت پر اُٹھنے والے اخراجات تاریخ کے کم ترین اخراجات ہیں جو جی ڈی پی کے ایک فیصد سے بھی کم رہے۔بجٹ کے تناسب کے حوالے سے 2015-16 میں سندھ تمام صوبوں سے آگے ہے۔خیبر پختونخوا 2013-14ء اور 2014-15ء میں سب سے آگے تھا لیکن رواں سال کے لیے جو بجٹ مختص کیا گیا ہے اس کے سبب چاروں صوبوں میں خیبر پختونخوا تیسرے نمبر پر آ گیا ہے۔بلوچستان کے بارے میں اعداد وشمار مہیا نہیں ہو سکے۔پی ایس ایل ایم کے مطابق ماحصل وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔مکمل طور پر جراثیم کے حملے سے محفوظ و مامون 12 سے 23 ماہ تک کی عمر کے اور ایک سال سے کم عمر کے بچوں اور گزشتہ 30 دن خسرہ سے محفوظ بچوں کے تناسب میں کمی آئی ہے بالکل اسی طرح جیسے پانچ برس سے کم عمر کے بچوں، جو گزشتہ 30 دنوں میں اسہال کے مرض کا شکار رہے ہیں، کی تعداد میں کمی آئی ہے۔تاہم ہنر مند دائیوں کے ہاتھوں بچوں کی ولادت کے تناسب میں اضافہ ہوا ہے۔

جدول20 صحت کے لیے اخراجات (کل کا فیصد)

	2012-13ء	2013-14ء	2014-15 Rء	2015-16 Bء
وفاق	0.3	0.9	0.9	0.7
پنجاب	5.2	5.5	6.3	5.7
سندھ	9.6	7.5	8.4	8.4
خیبر پختونخوا	4.8	8.6	8.5	5.4

ماحولیات

2015-16ء کے بجٹ کی ترجیحات کے حوالے سے ماحولیات کے شعبہ کو کم اہمیت دی گئی ہے۔پچھلے برس کی نسبت صوبوں نے اس مقصد کے لیے کافی کم رقم مختص کی ہے۔سب سے زیادہ رقم بلوچستان نے مختص کی ہے۔ماحولیات کے لیے جو بجٹ رکھا گیا ہے اس کا بہت بڑا حصہ پانی اور گندے پانی کی نکاسی کے لیے مختص کیا گیا ہے۔پی ایس ایل ایم 2013-14ء کے مطابق آبادی کے تناسب (شہری اور دیہی) کے حساب سے بہتر پانی تک رسائی رکھنے والے لوگوں کی تعداد میں کمی (55 فیصد) آئی ہے لیکن آبادی کا تناسب (شہری اور دیہی) جن کو سینی ٹیشن کی سہولتیں میسر ہیں، بڑھا ہے، یعنی اب 74 فیصد آبادی کو گندے پانی کی نکاسی کی سہولت دستیاب ہے۔

جدول21۔ماحولیات پر اُٹھنے والے اخراجات (کُل کا فیصد)

	2012-13ء	2013-14ء	2014-15 Rء	2015-16 Bء
وفاق	0.4	0.1	0.1	0.1
پنجاب	1.6	1.6	4.2	2.9
سندھ	1.4	1.1	1.7	1.6
خیبر پختونخوا	4.2	5	6.3	5.5
بلوچستان	5.9	5.3	6.8	6.1
ٹوٹل	1.1	0.8	1.6	1.4

غذائی تحفظ

گلوبل فوڈ سکیورٹی انڈکس 2015ء میں پاکستان 77 ویں نمبر پر ہے اور 2014ء کے مقابلے میں میزان میں 1.7 پوائنٹس کی بہتری آئی ہے۔ تاہم پاکستان کی زرعی اہلیت اور صلاحیت کے پیش نظر باعث تشویش بات یہ ہے کہ 25 نچلے متوسط ملکوں میں یہ 18 ویں نمبر پر ہے۔ بجٹ کو دیکھتے ہوئے 2015ء میں غذائی تحفظ کے لیے مختص بجٹ کا تناسب پنجاب کے سوا باقی تمام صوبوں میں کم ہوا ہے۔ سب سے زیادہ خرچ کرنے والا صوبہ بلوچستان ہے جبکہ غذائی تحفظ کے حوالے سے اخراجات میں بہت زیادہ کمی کرنے والا صوبہ خیبر پختونخوا ہے۔

جدول 22: غذائی تحفظ پر اُٹھنے والے اخراجات (کُل کا فیصد)

	2012-13ء	2013-14ء	2014-15 Rء	2015-16 Bء
وفاق	8.2	9.0	5.4	4.1
پنجاب	7.4	3.2	4.4	5.0
سندھ	6.4	3.8	4.7	4.0
خیبر پختونخوا	5.3	5.7	5.5	4.3
بلوچستان	10.3	8.9	8.8	8.7
ٹوٹل	10	7.3	5.3	4.6

روزگار

روزگار کے حوالے سے تازہ ترین سرکاری اعداد وشمار میسر نہیں ہیں۔ آخری لیبر فورس سروے کا تعلق سال 2013-14ء سے ہے جس کے مطابق بیروزگاری کا تناسب 6.0 فیصد تھا جبکہ اس سے پچھلے سروے میں یہ تناسب 6.2 فیصد تھا۔ مجموعی طور پر محنت کشوں کی شرکت کی شرح اور مردوں کی شرح میں کمی آئی ہے جبکہ خواتین کی شرکت میں کچھ اضافہ ہوا ہے۔ شہری کے ساتھ ساتھ دیہی افراد کی شرکت کی شرح کم ہوئی ہے۔ توسیعی شرکت کی شرحوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔ مؤخر الذکر کے حوالے سے ان جائزوں کے بارے میں سوالات اُٹھتے ہیں۔ غیر زرعی روزگار کا 73.6 فیصد حصہ غیر رسمی شعبہ سے تعلق رکھتا ہے۔

انسانی تحفظ

نظریہ کے طور پر انسانی تحفظ کو قومی تحفظ سے زیادہ تحفظ کے اجتماعی معانی میں لیا جاتا ہے۔ اس کا محور یا مرکز خطۂ زمین سے زیادہ انسان ہوتے ہیں جو انفرادی، جمیعتی، ملکی اور زمینی سطح پر تحفظ مہیا کرنے کا انتظام کرتا ہے۔ معیشت، سماجی اور ماحولیاتی خدوخال اور اس کی ہیئت ترکیبی اس کے لازمی جزو ہوتے ہیں۔ انسانی تحفظ کے اشاریے پر بین الاقوامی سطح پر کام ہو رہا ہے۔ جدول 23، انسانی تحفظ کے مختلف پہلوؤں کو ہم آہنگ کرنے کے لیے بجٹ میں دیئے گئے اخراجات کو ظاہر کرتا ہے۔ پھر ان کا روائتی قومی تحفظ پر اُٹھنے والے اخراجات سے موازنہ کیا گیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مناسب وسائل مختص کرنا محض پہلا قدم ہوتا ہے۔ ان سے کسی بھی طور مطلوبہ نتائج کا اندازہ نہیں ہوتا۔

آپ دیکھیں گے کہ انسانی تحفظ پر اُٹھنے والے اخراجات میں اٹھارہویں ترمیم اور ساتویں این ایف سی ایوارڈ کے بعد سے قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔ بازی پلٹ دینے والے ان واقعات اور ساتویں این ایف سی ایوارڈ سے قبل کل اخراجات کا تخمینہ 8.7 فیصد تھا جو 2014-15ء میں بڑھ کر 44.4 فیصد ہو گیا۔ 2015-16ء کے بجٹ میں مزید اضافہ ہوا اور 44.9 فیصد تک پہنچ گیا۔ چونکہ سماجی اور ماحولیاتی ہیئت ترکیبی کے زیادہ تر عناصر اور معاشی سانچے میں موجود چند حصے صوبائی عمل داری میں ہیں، اس لیے انسانی تحفظ پر اُٹھنے والے اخراجات میں ہونے والے اضافے کا زیادہ تر بوجھ صوبے برداشت کرتے ہیں۔ نتیجتاً انسانی سے قومی تحفظ کے موازنہ کی شرح میں بہتری آئی ہے جو 2.97 فیصد سے بڑھ کر 3.4 فیصد ہو گئی ہے۔ اس کے باوجود انسانی تحفظ پر اٹھنے والے اخراجات بین الاقوامی معیار کے حوالے سے بہت ہی کم ہیں۔ یہ دوسری ریاستوں کے بجٹوں کے مقابلے میں آدھے سے بھی کم ہیں۔ مستقبل کی طرف دیکھیں تو اختیارات مزید تقسیم ہوں گے اور یہ اختیارات صوبوں سے مقامی حکومتوں تک منتقل ہوں گے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو انسانی تحفظ پر اُٹھنے والے اخراجات میں نسبتاً اضافہ ہوگا اور بجٹ قابل ذکر سطح تک پہنچ جائے گا۔

جدول 23: انسانی اور قومی تحفظ پر اُٹھنے والے اخراجات

	2009-10	2010-11	2011-12	2012-13R	2013-14	2014-15R	2015-16B
انسانی تحفظ (اربوں روپے میں)	1,389	1,584	2,167	2,801	2,862	3,031	3,285
قومی تحفظ (اربوں روپے میں)	468	530	637	729	785	904	979
انسانی تحفظ پر کل خرچ کا فیصد	38.7	37.5	44.1	42.1	43.9	44.4	44.9
قومی تحفظ پر کل خرچ کا فیصد	13	12.5	13	13.5	12	13.2	13.4
انسانی تحفظ بطور جی ڈی پی کا فیصد	9.3	8.7	10.8	10	11.3	11.1	10.7
قومی تحفظ بطور جی ڈی پی کا فیصد	3.1	2.9	3.2	3.2	3.1	3.3	3.2
انسانی بمقابلہ قومی تحفظ	2.97	2.99	3.4	3.13	3.6	3.4	3.4

مساوی اور جامع نمو

وہ دن گئے جب نمو اور عدم مساوات یا ناہمواری کو دو متبادلوں کے درمیان لازمی چناؤ کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ اس حوالے سے پاکستان کو استثناء حاصل تھی اس لیے کہ یہاں حکومت نے نمو کو پالیسی سازی کی بنیاد قرار دے دیا تھا۔ ادارے جن سے وزیر خزانہ اپنی حمایت میں غلط باتیں منسوب کرتے ہیں، دوسرے خیالات کے حامل ہیں۔ آئی ایم ایف کی تازہ ترین ریسرچ (تحقیق) کے مطابق نمو کے لیے جو چیز بُری ہے وہ تقسیم تو نہیں بلکہ عدم مساوات ہے۔ عالمی بینک اس نکتے پر متفق ہو گیا تھا کہ عدم مساوات پر اصرار غربت کو کم کرنے کی پالیسیوں کے اثر کو کمزور کرتا ہے۔ او ای سی ڈی فی کس آمدنی کی بجائے کثیر الجہت طریق زندگی کے معیارات کی بات کرتی ہے۔ بین الاقوامی اقتصادی فورم نے اپنی پہلی گروتھ اینڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ جاری کی ہے جس میں ممالک کی آمدنی کے حوالے سے درجہ بندی کی گئی ہے۔ اس میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس قسم اور کس حد تک کی بڑھوتری سماجی ترقی کی ضامن ہوتی ہے۔ پاکستان نچلے متوسط آمدنی والے ملکوں کے گروپ میں شامل ہے۔ جدول 24 ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان تمام حوالوں سے اپنے ہم عصروں سے بھی بہت کم تر پوزیشن میں ہے۔ روزگار اور محنت کا معاوضہ کے حوالے سے درجہ بندی میں بہت ہی نیچے ہے یعنی 36 ملکوں میں پاکستان 33 ویں نمبر پر ہے۔

جدول 24: انکلوسو نمو اور ترقی کی رپورٹ 2015ء: درجہ بندی میں پاکستان کی حیثیت

رکن رکین	PEER گروپ میں درجہ
تعلیم وہنر	27/31
روزگار اور محنت کا معاوضہ	33/36

اثاثوں اور اداروں کی تشکیل	20/38
مالیاتی توسط سے حقیقی معاشی سرمایہ کاری	31/38
کرپشن اور خدمت کا معاوضہ	19/38
بنیادی خدمات اور ڈھانچہ	31/38
مالیاتی انتقالات	34/38

استدلال کا ماحصل

پاکستان مسلم لیگ (ن) کی حکومت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اپنے اقتدار کے پہلے سال کے دوران مقصد ادائیگیوں سے گریز تھا۔ دوسرے برس اس نے بڑے اقتصادی مسائل کے حوالے سے استحکام حاصل کر لیا تھا اور اب تیسرے برس میں معیشت اعلیٰ نمو حاصل کرنے کے لیے بالکل تیار ہے۔ ہمارے اکنامک واچ نے بنیادی معاشی معلومات اور تازہ ترین بجٹوں کے جو تجزیے کیے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے برس میں ادائگیوں سے جس گریز کی کوشش کی گئی تھی، اس کا معروضی صورت حال سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ یہ بعد کی سوچ تھی۔ اُس وقت فوری طور پر ڈیفالٹ کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ غیر ملکی زرمبادلہ کے ذخائر کم تھے لیکن اتنے بھی کم نہیں تھے کہ اس طرح پریشانی کا اظہار کیا جاتا جیسے پاکستان انتہائی خطرناک زون میں داخل ہو چکا تھا۔ آئی ایم ایف کسی بھی شرح پر قرض دینے کا منتظر تھا تا کہ اس کے دیئے ہوئے قرضوں کی قسط کی ادائیگی یقینی ہو سکے۔ معاشیات کبریٰ کی صورت حال پہلے کی نسبت کافی بہتر ہے۔ افراط زر میں کمی کا رجحان ہے، مالیاتی خسارہ کم ہوا ہے بالکل اسی طرح جیسے رواں کھاتے کے خسارے میں کمی آئی ہے۔ اس بہتر صورت حال کو خوش قسمتی ہی کہا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس کی وجہ بین الاقوامی مارکیٹ میں تیل اور دوسری اشیا کی قیمتوں میں وقوع پذیر ہونے والی کمی ہے۔ یہ خوش کن صورت حال کسی اختراعی پالیسی کے تحت کیے گئے اقدامات کے باعث نہیں پیدا ہوئی۔ مالیاتی خسارہ ایک مرتبہ کے نان ٹیکس اقدامات کے باعث ممکن ہوا۔ اس کا سبب وہ ٹیکس اصلاحات نہیں تھیں جن کا مقصد براہ راست ٹیکسوں کی وسیع تر بنیاد مہیا کرنا تھا۔ اس کے ذریعے صوبوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ فاضل بجٹ دکھائیں۔ بجلی پر دی جانے والی سبسڈی میں کمی، فرنس آئل اور پی او ایل مصنوعات پر عائد محصول میں کی جانے والی کمی کو صارفین سے وصول کیا جا رہا ہے۔ ٹیکس ریونیو اور تیل و گیس پر عائد بالواسطہ ٹیکسوں سے ہونے والی آمدنی بالواسطہ ٹیکسوں سے وصول کی جانے والی آدھی آمدنی کے برابر ہوتی ہے۔ بوجھ کی کلی طور پر نامنصفانہ تقسیم والے ٹیکس ڈھانچے کی یہ امتیازی خصوصیات ہوا کرتی ہیں۔

کلاں اقتصادی بنیادوں کو مستحکم قرار دے دینا جلد بازی کے سوا کچھ نہیں اس لیے کہ ان کے خارجی دباؤ ڈالنے والے اساسی مددگار (رقم مہیا کرنے والے) قائم نہ رہ سکیں۔ بہت زیادہ بڑھوتری کا ہدف معیشت کے اہم اصلی منصوبوں میں موجود کمزوریوں کو پیش نظر نہیں رکھتا۔ اہم فصلیں ماحولیاتی تبدیلیوں اور بین الاقوامی سطح کی قیمتوں میں ہونے والی کمی کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ تاخیر سے اعلان کردہ زرعی پیکیج کا مقصد محض آنے والے لوکل باڈیز انتخابات کے لیے حمایت حاصل کرنا ہے۔ یہ کوئی سنجیدہ حکمت عملی نہیں ہے جس سے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ممکن ہو سکے۔ صنعتوں کی بھاری تعداد آج بھی توانائی کے بحران کا بُری طرح شکار ہے جس کے باعث امن و امان کی صورت حال کے حوالے سے کوئی یقینی بات نہیں کی جا سکتی۔ اس کے باعث نمو میں بہت زیادہ کمی واقع ہوئی ہے۔ اس کے مقابلے میں برآمدات میں جی ایس پی پلس کے باوجود منفی نمو ظاہر ہوئی ہے۔ غیر ملکی زرمبادلہ جمع کرنے کے لیے قرضے لینے کی پالیسی کے باعث برآمدات کو نقصان ہوا اور برآمدات میں اضافہ ہوا۔ اگر برآمدات کی بنیاد پر کمائی کی گئی ہوتی تو اس سے روپے کی قدر میں استحکام آتا اور پاکستانی کرنسی مضبوط ہوتی۔ ایسی کوئی جادوئی چھڑی موجود نہیں ہے جس کے ذریعے فکسڈ انویسٹمنٹ کو 13.5 فیصد سے بڑھا کر 16.1 فیصد کر دیا جاتا جس سے محض ایک برس کے اندر شرح نمو 4.2 فیصد سے بڑھ کر 5.5 فیصد ہو جاتی۔ سرمایہ کاری کا پہلو تو وہ بھی کوئی امید افزا نہیں رہا۔ نجی شعبہ کو دیئے جانے والے قرض میں بھی مسلسل کمی آ رہی ہے حالانکہ سود کی شرح میں کافی حد تک کمی کی گئی ہے۔ سرمایہ کاری کی کم شرح بیروزگاری میں اضافے کو نہیں روک سکتی اور نہ ہی اس سے اعلان کردہ کم سے کم اجرتوں کی ادائیگی ممکن ہو سکتی ہے۔ اِیز آف ڈوئنگ بزنس انڈکس میں پاکستان 2013 میں 107 ویں نمبر پر تھا جبکہ 2014ء میں ہمارا ملک 127 ویں نمبر پر آ گیا۔

اپنی معاشی تاریخ کے عین مطابق پاکستان غیر ملکی امداد کی توقع لگائے بیٹھا ہے لیکن اس بار اس کی توقعات چین کے ساتھ وابستہ ہیں جس کے حوالے سے توقع کی جا رہی ہے کہ یہ امداد سی پی ای سی کے تحت ملے گی جس سے نہ صرف یہ کہ سرمایہ کاری کو فروغ حاصل ہوگا بلکہ اس سے افزائش کا عمل بھی تیز ہوگا۔ اس انتظام کے تحت سکیورٹی اور توانائی پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ یہ وہ سہولتیں ہیں جو مقامی اور دوسری غیر ملکی نجی سرمایہ کاروں کو میسر نہیں ہیں۔ بہر حال رواں سال بلکہ درمیانی مدت کے لیے بھی کسی قسم کی منصوبہ بندی میں ایم او یوز اور اُن پر عمل درآمد کے درمیان وقفہ کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اقتصادی استحکام کے نقطۂ نظر سے یہ واضح نہیں ہے کہ قرض سے پیدا ہونے والے داخلی بہاؤ سے کیا صورت حال پیدا ہوگی اس لیے با آسانی کہا جا سکتا ہے کہ استحکام سے اعلیٰ نمو کی طرف منتقلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

جس نمو کے حصول کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے، اس کی کوالٹی بہت سے سوالات پیدا کرتی ہے۔ نجی سرمایہ کاری میں سست رفتاری کو ختم کرنے کے لیے سرکاری سرمایہ کاری اور توانائی سے زیادہ سڑکوں کی تعمیر پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اور سماجی شعبہ کے لیے مختص وسائل کو اس طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔ تعلیم، صحت اور ماحولیات کے لیے مختص رقوم میں کمی کر دی گئی ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ خواندگی کی شرح تنزل کا شکار ہوئی، بچوں کو بیماریوں سے محفوظ کرنے کی مہم کو مختصر کر دیا گیا ہے اور صاف پانی تک رسائی پہلے سے زیادہ مشکل بنا دی گئی ہے۔ گلوبل جینڈر گیپ رپورٹ مجریہ 2014ء کے مطابق صحت اور تعلیم کے حوالے سے پاکستان محض آخری سے ایک درجے اوپر ہے۔ خوراک کے تحفظ پر اٹھنے والے اخراجات واضح کر دیتے ہیں کہ 25 نچلی متوسط معیشتوں میں پاکستان 18 ویں نمبر پر ہے۔ 2015ء کا سال میلینئم ڈویلپمنٹ گولز کا آخری سال ہے۔ 41 اشاروں میں پاکستان نویں اشارے پر ہے۔ سرکاری رپورٹ کا دعویٰ ہے کہ غربت کو متنازعہ اعداد و شمار اور طریقۂ کار کے ذریعے ناپا گیا ہے۔ لیکن وزیر خزانہ نے یہ کہہ کر کہ ہم سے کم آمدنی 2 ڈالر یومیہ ہے، اعتراف کر لیا ہے کہ ہماری آدھی سے زیادہ آبادی غربت کی زندگی گزار رہی ہے۔

وفاق سے اختیارات کی صوبوں کو منتقلی سے انسانی تحفظ کے لیے زیادہ وسائل مختص کرنے میں مدد ملی۔ اگرچہ ابھی بھی یہ وسائل کل اخراجات کے نصف سے کم ہیں، پھر بھی اس سے انسانی تحفظ کے حوالے سے کافی بہتری آئے گی۔ اب اگر یہ اختیارات صوبوں سے مقامی حکومتوں کو منتقل ہوتے ہیں تو اس کے نتیجے میں انسانی تحفظ پر اٹھنے والے اخراجات میں معتد بہ اضافہ ہوگا۔ بہر حال جب تک ملک دہشت گردی، لوڈ شیڈنگ اور ناخواندگی کے خلاف جنگ میں فیصلہ کن کامیابی حاصل نہیں کر لیتا، اس وقت تک پاکستان مسلم لیگ (ن) کے نام نہاد تین ای زیر مشتمل منشور قابل عمل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس کے وزیر خزانہ کا استحکام سے اعلیٰ نمو کی طرف منتقلی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔ اب تک جس قدر بھی نمو حاصل کی جا سکی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عدم جامعیت اور عدم مالیاتی مساوات کے ذریعے یہ نمو حاصل کی گئی ہے لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اس طریقۂ کار سے سماجی عدم استحکام اور معاشی عدم استحکام میں اضافہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ نمو کے لیے یہ پیمانہ صحیح نہیں بلکہ یہ ایک کمزور پلیٹ فارم ہوتا ہے۔

(پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے تحت 12 ستمبر 2015ء کو منعقدہ بجٹ سیمینار میں پیش کیا جانے والا کلیدی مضمون)

کاری، کارو کہہ کر مار ڈالا:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہدحق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 24 ستمبر سے 23 اکتوبر تک 20 افراد پر کارو کاری کا الزام لگا کر قتل کر دیا گیا۔ جن میں 15 خواتین اور 5 مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت / مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج / نہیں	ملزم گرفتار / نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن / اخبار
24 ستمبر	زاہدہ چانڈیو	خاتون	۔	شادی شدہ	نثار چانڈیو	بندوق	خاوند	میاں صاحب، شکار پور۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
24 ستمبر	علی گوہر بروہی	مرد	۔	۔	رحیم بروہی	بندوق	رشتے دار	گوٹھ رحمان جھرانی، شکار پور۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
28 ستمبر	رشیدہ لکھن	خاتون	36 برس	شادی شدہ	بوہڑ لکھن	بندوق	دیور	گوٹھ جان محمد لکھن، گھوٹکی۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
29 ستمبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	بلاول	گلا گھونٹ کر	خاوند	گڈوپل، کندھ کوٹ، کشمور۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ عوامی آواز
02 اکتوبر	خدیجہ جتوئی	خاتون	45 برس	شادی شدہ	اصغر، غلاموں، صلاح	بندوق	بھائی	گوٹھ نبھاؤ، باگڑجی، سکھر۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
03 اکتوبر	ماہ خاتوں	خاتون	25 برس	۔	شیر محمد بروہی	بندوق	بھائی	گوٹھ حمید بروہی، دودا پور، گڑھی خیرو، جیکب آباد	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
03 اکتوبر	امیر بخش لانگاہ	مرد	۔	۔	شیر محمد بروہی	بندوق	اہل علاقہ	گوٹھ حمید بروہی، دودا پور، گڑھی خیرو، جیکب آباد	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
05 اکتوبر	شگفتہ	خاتون	17 برس	۔	الطاف گوپانگ	بندوق	چچازاد بھائی	باگودیرو محلّہ قمبر۔سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
05 اکتوبر	حبیب اللہ شیخ	مرد	27 برس	شادی شدہ	الطاف گوپانگ	بندوق	۔	باگودیرو محلّہ قمبر۔سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
05 اکتوبر	گل بی بی دستی	خاتون	۔	شادی شدہ	نور جہاں دستی	بندوق	خاوند	گوٹھ میاں بخش دستی، دودا پور، جیکب آباد	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
07 اکتوبر	نسیم کڑیو	خاتون	21 برس	۔	الہیار کڑیو	بندوق	بھائی	گوٹھ اسماعیل کڑیو، گلوسیال، گمبٹ، خیر پور میرس	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
07 اکتوبر	عنایتاں جتوئی	خاتون	30 برس	شادی شدہ	شانو، درو جتوئی	بندوق	بھائی	نزد باگڑجی، سکھر۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
08 اکتوبر	نوراں چانڈیو	خاتون	۔	شادی شدہ	قادر چانڈیو	بندوق	خاوند	گوٹھ لڈھان، خیر پور ناتھن شاہ، دادو۔سندھ	۔	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
12 اکتوبر	اسلم ڈومکی	مرد	40 برس	شادی شدہ	۔	گلا گھونٹ کر	۔	گڑھی خیرو، جیکب آباد۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
12 اکتوبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	۔	گلا گھونٹ کر	۔	گڑھی خیرو، جیکب آباد۔سندھ	۔	۔	۔	روزنامہ کاوش
12 اکتوبر	تسلیم گاد	مرد	۔	۔	برادری والے	بندوق	۔	گوٹھ پاروپٹو، ماہوٹا، لاڑکانہ۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
12 اکتوبر	انیس خاتوں گاد	خاتون	۔	۔	برادری والے	بندوق	۔	گوٹھ پاروپٹو، ماہوٹا، لاڑکانہ۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
13 اکتوبر	دلشاد خاتون	خاتون	۔	شادی شدہ	برادری والے	بندوق	۔	جمالی گوٹھ، ناراجیل، حیدر آباد۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
19 اکتوبر	نادیہ سولنگی	خاتون	18 برس	۔	کوڑل سولنگی اور ساتھی	بندوق	باپ	گوٹھ ولی محمد سولنگی، فیض گنج، خیر پور میرس۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش
21 اکتوبر	صفیہ چانڈیو	خاتون	25 برس	شادی شدہ	سردار احمد چانڈیو	بندوق	خاوند	کچی پل، قمبر۔سندھ	۔	درج	۔	روزنامہ کاوش

جنسی تشدد کے واقعات:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 25 ستمبر سے 20 اکتوبر تک 96 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 56 خواتین شامل ہیں۔ 36 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 11 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
25 ستمبر	م	خاتون	16برس	غیرشادی شدہ	سمیع	اہل علاقہ	چاپڑ باجوہ، بڈیانہ	-	-	دنیا
25 ستمبر	رحمان	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	امیراللہ	اہل علاقہ	مہاجرکیمپ، ہری پور	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹربیون
25 ستمبر	و	خاتون	-	شادی شدہ	ارشدرحمان	اہل علاقہ	چک 142رب، فیصل آباد	درج	-	نوائے وقت
25 ستمبر	ش	خاتون	-	-	اہل علاقہ	اہل علاقہ	353 گ ب، صدرجڑانوالہ، فیصل آباد	درج	-	نوائے وقت
25 ستمبر	س	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	دلبر	اہل علاقہ	پنڈی شیخ موسیٰ، بابلک، فیصل آباد	درج	-	نوائے وقت
25 ستمبر	علی حمزہ	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	سردار کالونی، قصور	درج	گرفتار	نوائے وقت
28 ستمبر	نادرعلی	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	غلام عباس	اہل علاقہ	گاؤں 134ایس پی، پاکپتن	-	-	نوائے وقت
28 ستمبر	ن	خاتون	-	-	یعقوب، ایاز، ممتاز	اہل علاقہ	نخلور، بہاولپور	-	-	نوائے وقت
28 ستمبر	-	بچہ	-	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	اوکاڑہ	درج	گرفتار	نوائے وقت
28 ستمبر	ثاقب	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	کوٹ علی گڑھ، قصور	درج	-	نوائے وقت
30 ستمبر	س	خاتون	-	-	نعیم	اہل علاقہ	گاؤں 77ڈی، پاکپتن	-	-	نوائے وقت
30 ستمبر	شہریار	مرد	14برس	غیرشادی شدہ	طارق	اہل علاقہ	محلہ بہاولپور، پسرور	-	-	نوائے وقت
30 ستمبر	س	خاتون	-	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	پٹھان چک، گکھڑمنڈی	-	-	نوائے وقت
30 ستمبر	عمر	مرد	-	غیرشادی شدہ	عمران، اظہر، حیدر	اہل علاقہ	قصبہ حسین شاہ، ہارون آباد	-	-	نوائے وقت
30 ستمبر	-	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	ہارون آباد	-	-	نوائے وقت
یکم اکتوبر	-	بچی	4برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	گاؤں 22، خیرپور ٹامے والی، بہاولپرو	درج	گرفتار	ڈان
2اکتوبر	محمد احمد	مرد	-	غیرشادی شدہ	عابد	اہل علاقہ	عمرآباد، حبیب آباد	-	-	نوائے وقت
2اکتوبر	ن	خاتون	20برس	شادی شدہ	رفیق	اہل علاقہ	چک 392 گ ب، تاندلیانوالا، فیصل آباد	درج	-	نوائے وقت
2اکتوبر	س	خاتون	18برس	غیرشادی شدہ	شہباز، ممتاز	اہل علاقہ	گاؤں کڑیاں کلاں، نوشہرورکاں	درج	گرفتار	دنیا
3اکتوبر	س	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	شان، شیری	اہل علاقہ	گاؤں نیارا، کوٹ رادھا کشن	-	-	نوائے وقت
3اکتوبر	ع	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	عثمان نذیر	اہل علاقہ	چک جھمرہ، فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
3اکتوبر	احتشام	بچہ	-	غیرشادی شدہ	فیصل، عثمان	اہل علاقہ	بستی علی آباد، جھنگ	-	-	نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
3اکتوبر	رب	خاتون	ـ	ـ	ذوالفقار	اہل علاقہ	جھنگ	ـ	ـ	نوائے وقت
3اکتوبر	ط	خاتون	ـ	ـ	فیاض	اہل علاقہ	بنگہ حیات، پاکپتن	ـ	ـ	نوائے وقت
3اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	ـ	اظہر	اہل علاقہ	285 گ ب،ٹوبہ ٹیک سنگھ	ـ	ـ	نوائے وقت
3اکتوبر	فیضان	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	عبدالغنی	اہل علاقہ	ٹھینگ چک،حبیب آباد	ـ	ـ	نوائے وقت
3اکتوبر	رجب علی	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	سجاد،عمران،ادیب،جنید،بابر	اہل علاقہ	گوہدپور، سیالکوٹ	ـ	ـ	نوائے وقت
3اکتوبر	احمد جاوید	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	ہنجروال،لاہور	درج	ـ	جنگ
5اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	ـ	ـ	اہل علاقہ	چک201رب،فیصل آباد	ـ	ـ	ایکسپریس ٹریبون
5اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	ـ	ـ	اہل علاقہ	لاثانی ٹاؤن،فیصل آباد	ـ	ـ	ایکسپریس ٹریبون
5اکتوبر	رضا ارشد	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	محلّہ کوٹ احمد شاہ، منڈی بہاؤالدین	ـ	ـ	ایکسپریس
6اکتوبر	جریز شریف	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	منان	اہل علاقہ	گاؤں بہاری پور،قصور	ـ	ـ	نوائے وقت
6اکتوبر	ص	خاتون	ـ	ـ	عادل	اہل علاقہ	بھکر	ـ	ـ	نوائے وقت
6اکتوبر	علی رضا	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	افتخار	اہل علاقہ	محلّہ حسین، بھکر	ـ	ـ	نوائے وقت
6اکتوبر	س	مرد	14برس	غیرشادی شدہ	شمریز،شاہ زیب،حسن	اہل علاقہ	بھانوکے،ڈسکہ	ـ	ـ	نوائے وقت
6اکتوبر	محمد بلال	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	غلام حیدر	اہل علاقہ	ریلوے پھاٹک،کمالیہ	درج	ـ	نوائے وقت
6اکتوبر	س	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	محمد یونس	اہل علاقہ	724 گ ب،کمالیہ	ـ	ـ	نوائے وقت
6اکتوبر	ش ب	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	الطاف	اہل علاقہ	چک160، جھنگ	درج	ـ	نوائے وقت
7اکتوبر	ـ	خاتون	50برس	شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	مظفرگڑھ	ـ	ـ	ایکسپریس
7اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	بلال،نواز،ثقلین	اہل علاقہ	چناب نگر	ـ	ـ	نئی بات
7اکتوبر	ـ	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	سیہون،حیدرآباد	درج	ـ	ایکسپریس ٹریبون
7اکتوبر	الف	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	نیاز	اہل علاقہ	جمبرفواد، پھولنگر،قصور	درج	ـ	دنیا
7اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	چک207رب،فیصل آباد	ـ	ـ	نوائے وقت
7اکتوبر	حسن	بچہ	5برس	غیرشادی شدہ	بلال	اہل علاقہ	محلّہ ٹوٹیانوالہ،ڈسکہ	ـ	ـ	نوائے وقت
8اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	تھانہ جھنگ،فیصل آباد	درج	ـ	ایکسپریس ٹریبون
8اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	چک217رب،فیصل آباد	درج	ـ	ایکسپریس ٹریبون

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
9اکتوبر	۔	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	یوسف	سوتیلا باپ	بنگلہ کمبواں، قصور	۔	۔	نوائے وقت
9اکتوبر	ن	خاتون	۔	۔	شیراز	رشتہ دار	شاہدرہ، لاہور	۔	۔	نوائے وقت
9اکتوبر	س ب	خاتون	۔	۔	اصغر علی	اہل علاقہ	سلیم پورہ، ڈسکہ	۔	۔	نوائے وقت
9اکتوبر	س ب	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	اسحاق	اہل علاقہ	چک 169 ای بی، لگومنڈی	۔	۔	نوائے وقت
9اکتوبر	۔	بچہ	4برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	سرسید ٹاؤن، فیصل آباد	درج	۔	نوائے وقت
10اکتوبر	۔	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	زبیر	اہل علاقہ	شرقپور	۔	۔	دنیا
10اکتوبر	فیضان	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	طیب	اہل علاقہ	گاؤں مدار، شیخوپورہ	۔	۔	جنگ
10اکتوبر	حسن	بچہ	5برس	غیرشادی شدہ	افتخار	اہل علاقہ	چک 534 گ ب، فیصل آباد	درج	۔	نوائے وقت
10اکتوبر	طیب علی	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	عمران	اہل علاقہ	سندی محلّہ، اوکاڑہ	۔	۔	نوائے وقت
10اکتوبر	فیصل جاوید	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	علی حسن	اہل علاقہ	فیروزوالا	۔	۔	نوائے وقت
11اکتوبر	ب	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	رمضان	اہل علاقہ	اوکاڑہ	۔	۔	نوائے وقت
11اکتوبر	۔	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	غلام عباس	اہل علاقہ	مجاہد نگر، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
11اکتوبر	ن	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	سعید	اہل علاقہ	63 گ ب، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
11اکتوبر	عبدالرؤف	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	مزمل جاوید	اہل علاقہ	2/1 ایل، اوکاڑہ	۔	۔	نوائے وقت
11اکتوبر	ص	خاتون	۔	شادی شدہ	حیات	اہل علاقہ	شتاب گڑھ، سیالکوٹ	۔	۔	نوائے وقت
11اکتوبر	۔	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	جڑانوالہ، فیصل آباد	درج	۔	ایکسپریس ٹربیون
11اکتوبر	۔	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	تھانہ صدر، جڑانوالہ	درج	۔	ایکسپریس ٹربیون
12اکتوبر	۔	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	اصغر، ہارون	اہل علاقہ	نواں کوٹ، لاہور	۔	۔	جنگ
12اکتوبر	شانی	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	طفیل	اہل علاقہ	محلّہ نوروالا، چنیوٹ	۔	۔	نئی بات
13اکتوبر	قمر	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	۔	۔	سنٹرل جیل، پشاور	درج	۔	ایکسپریس ٹربیون
13اکتوبر	اسامہ	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	علی مسجد، بھکھی	درج	گرفتار	نوائے وقت
13اکتوبر	پ	خاتون	35برس	غیرشادی شدہ	نواز	اہل علاقہ	چک 255 ای بی، لگومنڈی	۔	۔	نوائے وقت
14اکتوبر	احمد	مرد	14برس	غیرشادی شدہ	حسن	اہل علاقہ	ٹبہ محمد نگر، کامونکی	درج	۔	خبریں
14اکتوبر	ن	بچی	6برس	غیرشادی شدہ	آفاق شاہ	اہل علاقہ	عرفان آباد، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
15اکتوبر	م	خاتون	۔	۔	عامر	اہل علاقہ	گاؤں اسلام نگر، شاہ کوٹ	۔	۔	نوائے وقت
15اکتوبر	ش	خاتون	۔	شادی شدہ	ذوالفقار	اہل علاقہ	چک 478 جھنگ	۔	۔	نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
15اکتوبر	ر	خاتون	-	غیرشادی شدہ	عنصرعباس	اہل علاقہ	اوکاڑہ	-	-	نوائے وقت
16اکتوبر	-	بچی	2برس	غیرشادی شدہ	شفیق	اہل علاقہ	جڑانوالہ،فیصل آباد	درج	گرفتار	نئی بات
17اکتوبر	-	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	حاصل پور،بہاولپور	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹربیون
17اکتوبر	پ	خاتون	-	-	راشد	اہل علاقہ	قصبہ تاندلیانوالہ،فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
17اکتوبر	ی	خاتون	-	-	عباس	اہل علاقہ	بستی عبداللہ،اوکاڑہ	-	-	نوائے وقت
17اکتوبر	ل	بچی	5برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	مٹھ ٹوانہ	درج	-	نوائے وقت
18اکتوبر	-	خاتون	-	غیرشادیشدہ	اظہر	اہل علاقہ	پاکپتن	درج	-	ایکسپریس
18اکتوبر	-	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	چک425،ای بی،بورے والا	-	-	ایکسپریس
18اکتوبر	-	بچہ	13برس	غیرشادی شدہ	عابد	اہل علاقہ	چک55،کوٹ رادھاکشن	-	-	ایکسپریس
18اکتوبر	ک	خاتون	-	-	غلام سرور	اہل علاقہ	جامعہ چشتیہ چوک،فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
18اکتوبر	س	خاتون	-	-	غلام مصطفیٰ،محمدسرور	اہل علاقہ	چک229رب،کھرڑیانوالا،فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
18اکتوبر	م	خاتون	-	-	ذیشان	اہل علاقہ	علوی پارک،جڑانوالا،فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
18اکتوبر	س	خاتون	-	شادی شدہ	زبیر	اہل علاقہ	محلّہ مدنی پورہ،شاہکوٹ	-	-	نوائے وقت
19اکتوبر	ن	خاتون	-	غیرشادی شدہ	شہزاد	اہل علاقہ	قصور	درج	-	دنیا
19اکتوبر	م	خاتون	-	-	عبدالشکور	اہل علاقہ	چک بھیلا،پاکپتن	درج	-	نیوز
19اکتوبر	ن ب	خاتون	-	-	محمدصدیق	اہل علاقہ	صدرگوگیرہ	درج	-	ایکسپریس
19اکتوبر	ک	خاتون	-	شادی شدہ	-	اہل علاقہ	مظفرگڑھ	درج	-	دنیا
19اکتوبر	ن	خاتون	-	غیرشادی شدہ	سکندر	اہل علاقہ	حافظ آباد	درج	گرفتار	نیوز
19اکتوبر	حسنین	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	عمردراز،حسن،سکندر،احتشام	اہل علاقہ	راؤخان والا،قصور	-	-	خبریں
19اکتوبر	-	بچہ	5برس	غیرشادی شدہ	عارف	اہل علاقہ	گاؤں کلارک آباد،قصور	درج	گرفتار	دنیا
20اکتوبر	-	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	کچی آبادی،بہاولپور	درج	-	ایکسپریس ٹربیون
20اکتوبر	ن	خاتون	-	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	گجرات	-	-	نوائے وقت
20اکتوبر	اعجاز سیالوی	مرد	-	غیرشادی شدہ	شعیب اسد	اہل علاقہ	اوکاڑہ	-	-	نوائے وقت
20اکتوبر	ع	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	بٹ خیلہ،مالاکنڈ	درج	گرفتار	ایکسپریس ٹربیون

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق 24 ستمبر سے 23 اکتوبر تک کے دوران ملک بھر میں 157 افراد نے خودکشی کر لی۔ خودکشی کرنے والوں میں 61 خواتین شامل تھیں۔ اسی عرصہ کے دوران 42 افراد نے خودکشی کرنے کی کوشش کی جنھیں بروقت طبی امداد دے کر بچا لیا گیا۔ اقدام خودکشی کرنے والوں میں 18 خواتین شامل ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں 94 افراد نے گھریلو جھگڑوں و مسائل سے تنگ آ کر اور 13 نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کے واقعات میں 80 نے زہر کھا/پی کر، 36 نے خود کو گولی مار کر اور 30 نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے 199 واقعات میں سے صرف 14 واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
24 ستمبر	جنید سومرؤ	مرد	17 برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	غریب آباد، محلّہ لاڑکانہ، سندھ	ـ	روزنامہ کاوش
24 ستمبر	افضل	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	موکل کالونی، ساہیوال	ـ	روزنامہ ڈان
24 ستمبر	فرخ بی بی	خاتون	50 برس	ـ	شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	باغبانپورہ، لاہور	ـ	روزنامہ نیوز
25 ستمبر	رخسانہ بی بی	خاتون	30 برس	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چائنہ سکیم، گجر پورہ، لاہور	ـ	روزنامہ ایکسپریس
25 ستمبر	زاہد	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	ـ	خود کو گولی مار کر	کمالیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ	درج	روزنامہ نیوز
25 ستمبر	طیب	مرد	23 برس	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	تتلے عالی، گوجرانوالہ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
28 ستمبر	مریم	خاتون	ـ	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	عمرزئی، چارسدہ	درج	ایکسپریس ٹریبون
28 ستمبر	ثناء	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	خود کو گولی مار کر	عشرہ کرونا، چارسدہ	درج	ایکسپریس ٹریبون
28 ستمبر	قاسم	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	پرانا بھلوال، سرگودھا	ـ	روزنامہ دنیا
28 ستمبر	رفیق سولنگی	مرد	ـ	ـ	ـ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	بھرگڑی کالونی، لاڑکانہ	ـ	روزنامہ دنیا
28 ستمبر	شرافت بی بی	خاتون	22 برس	ـ	شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	بیدرہ، مٹہ، سوات	ـ	روزنامہ دنیا
28 ستمبر	رحمانیہ	خاتون	17 برس	ـ	شادی شدہ	ـ	زہر خورانی	سوات	ـ	روزنامہ دنیا
28 ستمبر	صغیر احمد	مرد	18 برس	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	اوڈھ کالونی، رحیم یار خان	ـ	روزنامہ دنیا
28 ستمبر	محمد امجد	مرد	30 برس	ـ	ـ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	خان بیلہ، رحیم یار خان	ـ	روزنامہ دنیا
28 ستمبر	مشتاق احمد	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	دیپالپور، اوکاڑہ	ـ	روزنامہ نیوز
28 ستمبر	مقبول احمد	مرد	77 برس	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	گاؤں شیخو شریف، اوکاڑہ	ـ	روزنامہ نیوز
28 ستمبر	ط	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	موضع مالومیرو، ڈسکہ	ـ	روزنامہ جنگ
28 ستمبر	مرتضیٰ	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	عیدگاہ، حافظ آباد	ـ	روزنامہ جنگ
28 ستمبر	مریم	خاتون	16 برس	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گڑیا آباد عمرزئی، چارسدہ	درج	روزنامہ آج
28 ستمبر	ثناء	خاتون	ـ	ـ	غیر شادی شدہ	ـ	خود کو گولی مار کر	اشارہ کورونہ، چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
29 ستمبر	صفت اللہ	مرد	16 برس	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	موسیٰ زئی شریف، ڈی آئی خان	درج	روزنامہ ایکسپریس
29 ستمبر	زڑاور خان	مرد	213 برس	ـ	ـ	ـ	زہر خورانی	گاؤں ملنگی ماموند، باجوڑ ایجنسی	درج	روزنامہ ایکسپریس
29 ستمبر	عصمہ بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں فتح پور، حافظ آباد	ـ	روزنامہ جنگ
29 ستمبر	زہرہ بتول	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	محلّہ حیات آباد، چیچہ وطنی	ـ	روزنامہ دنیا
29 ستمبر	یاسمین	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں لنگے، ہڑیانہ	ـ	روزنامہ دنیا
29 ستمبر	پروین	خاتون	38 برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	یوسف آباد، فیض آباد	ـ	روزنامہ دنیا
29 ستمبر	صفت اللہ	مرد	16 برس	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	موسیٰ زئی شریف، ڈی آئی خان	ـ	روزنامہ دنیا
29 ستمبر	محمد عمران	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں کچاپکا کلاں، کھڈیاں خاص، قصور	ـ	روزنامہ دنیا

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
29 ستمبر	شیر جان	مرد	-	-	-	-	زہر خورانی	باجوڑ حال، سرائے عالمگیر	-	روزنامہ جنگ
30 ستمبر	نورین	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 385 ر ب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
30 ستمبر	یاسر	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	327 ر ب، ٹوبہ ٹیک سنگھ	-	روزنامہ نوائے وقت
30 ستمبر	شاہد	مرد	-	-	-	-	زہر خورانی	سمندری، فیصل آباد	-	روزنامہ نوائے وقت
30 ستمبر	عمران	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں صحبت کلے، نوشہرہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
یکم اکتوبر	ماجد حسین	مرد	19 برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں 12/14 ایل، کسووال	-	روزنامہ نوائے وقت
یکم اکتوبر	ایوب خان	مرد	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	کلی علی خانزئی، ژوب	-	روزنامہ دنیا
یکم اکتوبر	پروین	خاتون	22 برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	سیکٹر 11، اورنگی ٹاؤن، کراچی	-	روزنامہ دنیا
یکم اکتوبر	سرور	مرد	45 برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	بن قاسم فلٹر پلانٹ، کراچی	-	روزنامہ دنیا
یکم اکتوبر	مولیڈنو	مرد	70 برس	-	-	بیماری سے دلبرداشتہ ہو کر	کنویں میں کود کر	نگر پارکر، مٹھی	-	روزنامہ دنیا
یکم اکتوبر	محمد وقاص	مرد	-	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	محلّہ پرانی منڈی، پتوک	-	روزنامہ جنگ
2 اکتوبر	سمیرا بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	469 گ ب، سمندری	-	روزنامہ جنگ
3 اکتوبر	انور علی ابڑو	مرد	18 برس	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	پھندا لے کر	چونڈکو، خیر پور میرس	-	روزنامہ کاوش
3 اکتوبر	غلام علی	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	غلام شاہ، شکار پور، سندھ	-	روزنامہ کاوش
3 اکتوبر	عمران یوسف زئی	مرد	25 برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	نظامانی محلّہ، سانگھڑ	-	روزنامہ نوائے وقت
3 اکتوبر	عنصر	مرد	50 برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	موضع اگرویہ، پھالیہ	-	روزنامہ جنگ
3 اکتوبر	شکیلہ بی بی	خاتون	32 برس	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	گاؤں 90 ای بی، عارف والا	-	روزنامہ جنگ
3 اکتوبر	محمد اکرم	مرد	25 برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	چک 39/3 آر، پاکپتن	-	روزنامہ دنیا
3 اکتوبر	محمد ارشد	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	-	لاری اڈا چوک، احمد یار	-	روزنامہ دنیا
3 اکتوبر	زرینہ	خاتون	18 برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 151، ساہیوال	-	روزنامہ نئی بات
3 اکتوبر	نوید	مرد	35 برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	روشن والا بائی پاس، فیصل آباد	-	روزنامہ نئی بات
4 اکتوبر	ثمرین طارق	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہر خورانی	انارکلی بازار، بہاولپور	-	روزنامہ نیوز
4 اکتوبر	احسن	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہر خورانی	انارکلی بازار، بہاولپور	-	روزنامہ نیوز
4 اکتوبر	محمد اسرار	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 204 مراد، چشتیاں، بہاولپور	-	روزنامہ نیوز
4 اکتوبر	عابدہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	موضع بڈانہ، ہڈیارہ، لاہور	-	روزنامہ خبریں
4 اکتوبر	علی رضا	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	گاؤں پیپلی پہاڑ، اوکاڑہ	-	روزنامہ ایکسپریس
4 اکتوبر	ارسلان	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں 277 ای بی، لُگو منڈی	-	روزنامہ ایکسپریس
4 اکتوبر	شاہل سابق	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	گوٹھ ولی محمد، مورو، سندھ	-	روزنامہ کاوش
4 اکتوبر	کائنات	خاتون	15 برس	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خود کو گولی مار کر	ڈھیرے کورونہ کتوزئی، چارسدہ	درج	روزنامہ ایکسپریس
5 اکتوبر	عبداللہ میر بحر	مرد	18 برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	گوٹھ ولی محمد، نوشہرو فیروز	-	روزنامہ کاوش
5 اکتوبر	منور خاتون	خاتون	25 برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گڑھی خیرو، جیکب آباد	-	روزنامہ کاوش
5 اکتوبر	سمیرا	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	چھت سے کود کر	ڈسکہ	درج	روزنامہ نئی بات
5 اکتوبر	فردوس	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	شادمان کالونی، پتوکی	-	روزنامہ نئی بات
5 اکتوبر	حمزہ	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	کوٹ محمد شفیع، گوجرانوالہ	-	روزنامہ دنیا
7 اکتوبر	م	خاتون	20 برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	نوشہرہ روڈ، گوجرانوالہ	-	روزنامہ خبریں

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
7اکتوبر	بلال	مرد	18برس	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ضیاء کالونی، ٹوبہ ٹیک سنگھ	ـ	روزنامہ نئی بات
7اکتوبر	ـ	خاتون	15برس	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں فیروز، خانپور، رحیم یارخان	ـ	روزنامہ نیوز
7اکتوبر	ارم	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ہنجروال، لاہور	ـ	روزنامہ دنیا
7اکتوبر	لطیف	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	خودکوگولی مارکر	حافظ آباد	ـ	روزنامہ دنیا
7اکتوبر	سرفراز	مرد	22برس	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	ہری پور	ـ	روزنامہ دنیا
7اکتوبر	دلاورخان	مرد	23برس	ـ	ـ	ـ	خودکوگولی مارکر	ایبٹ آباد	ـ	روزنامہ دنیا
7اکتوبر	خالد	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	ڈیرہ مراد جمالی	ـ	روزنامہ دنیا
7اکتوبر	رضوان بھٹی	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گاؤں تیکھا بھٹیاں، شیخوپورہ	ـ	روزنامہ جنگ
8اکتوبر	نادرسہیل	مرد	22برس	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کوٹ رادھاکشن	ـ	روزنامہ جنگ
8اکتوبر	محمدالیاس	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصور	ـ	روزنامہ جنگ
8اکتوبر	وحید	مرد	28برس	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 9 کے جی، پاکپتن	ـ	روزنامہ جنگ
8اکتوبر	طاہرہ	خاتون	20برس	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ظاہرپیر، خانپور، رحیم یارخان	ـ	روزنامہ نوائے وقت
8اکتوبر	فردوس بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کچہ صادق آباد، خانپور، رحیم یارخان	ـ	روزنامہ نوائے وقت
8اکتوبر	نبیلہ	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصور	ـ	جنگروزنامہ
8اکتوبر	ـ	مرد	22برس	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	خودکوگولی مارکر	گاؤں علی کاسر، دیپالا	درج	روزنامہ ایکسپریس
9اکتوبر	بہادرعلی اجن	مرد	18برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ناروڈھورو، خیرپورمیرس	ـ	روزنامہ کاوش
9اکتوبر	صدیقہ بی بی	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 40 جی ڈی، رائے پور، اوکاڑہ	ـ	روزنامہ جنگ
9اکتوبر	نوید	مرد	29برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	محلہ طارق آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ جنگ
9اکتوبر	انعم شہزادی	خاتون	18برس	ـ	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	چک 31 ج ب، فیصل آباد	ـ	روزنامہ جنگ
9اکتوبر	قاسم	مرد	35برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	محلہ اقبال نگر، جھنگ	ـ	روزنامہ جنگ
9اکتوبر	مشتاق اکرم	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	امین پورہ، مریدکے	ـ	روزنامہ جنگ
9اکتوبر	محمد یوسف	مرد	21برس	ـ	غیرشادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خودکوجلاکر	رحیم یارخان	ـ	روزنامہ دنیا
10اکتوبر	مختیار	مرد	ـ	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	خودکوگولی مارکر	امبار، مہمند ایجنسی	درج	روزنامہ آج
10اکتوبر	محمد فقیر	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	ـ	نہرمیں کودکر	تھانہ چھپ کلاں، میاں چنوں	ـ	روزنامہ دنیا
10اکتوبر	کرن	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	اسلام پورہ، لاہور	ـ	روزنامہ جنگ
10اکتوبر	بشریٰ بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع بھانوکے، ڈسکہ	ـ	روزنامہ جنگ
10اکتوبر	ارشد	مرد	ـ	ـ	ـ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	چاہ شاموں والا، کمالیہ	ـ	روزنامہ نوائے وقت
10اکتوبر	ثناء بی بی	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	غوث نگر، ملکہ ہانس	ـ	روزنامہ دنیا
10اکتوبر	فیروز	مرد	35برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	ـ	اورنگی ٹاؤن، کراچی	ـ	روزنامہ دنیا
10اکتوبر	شازیہ	خاتون	28برس	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالے کر	سول لائن، راولپنڈی	ـ	ایکسپریس ٹریبون
11اکتوبر	اظہارالدین	مرد	24برس	ـ	ـ	ـ	پھندالے کر	ڈسٹرکٹ جیل تیمرگرہ، لوئردیر	درج	روزنامہ ایکسپریس
11اکتوبر	ثمینہ	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رنگ محل، لاہور	ـ	روزنامہ دنیا
12اکتوبر	وسیم احمد	مرد	35برس	ـ	ـ	ـ	پھندالے کر	پی اے ایف میوزیم، کراچی	ـ	روزنامہ ڈان
12اکتوبر	موسیٰ	مرد	40برس	ـ	ـ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ـ		روزنامہ نئی بات
12اکتوبر	نازیہ پروین	خاتون	22برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	101 گ ب، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
12اکتوبر	عمران	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پرانا دھلہ، گوجرانوالہ	-	روزنامہ ایکسپریس
12اکتوبر	ارشد	مرد	-	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	بہاری کالونی، گوجرانوالہ	-	روزنامہ ایکسپریس
12اکتوبر	طاہر	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	فتومنڈ، گوجرانوالہ	-	روزنامہ ایکسپریس
13اکتوبر	ارشاد	مرد	55برس	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	کبیروالا مخدوم پور چونگی، خانیوال	-	روزنامہ نئی بات
13اکتوبر	سلطان	مرد	16برس	-	غیر شادی شدہ	-	زہرخورانی	تربیلا	-	روزنامہ نئی بات
13اکتوبر	احسان وحید	مرد	-	-	-	-	خودکوگولی مارکر	سکندر پور، ہری پور	-	روزنامہ دنیا
13اکتوبر	اقراء	خاتون	18برس	-	-	-	خودکوگولی مارکر	درتیاں، ہری پور	-	روزنامہ دنیا
13اکتوبر	-	خاتون	18برس	-	-	-	کنویں میں کودکر	سوہاچھٹی، ہری پور	-	روزنامہ دنیا
13اکتوبر	مزمل حسین	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 70 ڈی، پاکپتن	-	روزنامہ جنگ
13اکتوبر	صدام	مرد	22برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کوٹ نذیر، فیروزوالا	-	روزنامہ جنگ
13اکتوبر	سکینہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	کنویں میں کودکر	بستی ٹاہلی والا، لودھراں	-	روزنامہ خبریں
13اکتوبر	ن	خاتون	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چشتیاں	-	روزنامہ خبریں
13اکتوبر	محمد رضا	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	چشتیاں	-	روزنامہ خبریں
13اکتوبر	ادریس	مرد	22برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گھلواں، علی پور	-	روزنامہ خبریں
14اکتوبر	شہناز جروار	خاتون	17برس	-	-	-	خودکوگولی مارکر	گوٹھ خانواہ، گڑھی خدابخش	-	روزنامہ کاوش
14اکتوبر	سونیا	خاتون	25برس	-	-	انصاف نہ ملنے پر	خودکوجلاکر	تھانہ سٹی، مظفرگڑھ	-	روزنامہ ایکسپریس
14اکتوبر	عذرا	خاتون	14برس	-	-	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	چک 120/9 ایل، ساہیوال	-	روزنامہ نئی بات
14اکتوبر	زوبیہ	خاتون	18برس	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	چک 151/9 ایل، ساہیوال	-	روزنامہ نئی بات
14اکتوبر	مظہر علی	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	چک 56 جی ڈی، ساہیوال	-	روزنامہ نئی بات
14اکتوبر	منظوراں	خاتون	60برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گاؤں ٹھینگی شاہ، قصور	-	روزنامہ نئی بات
14اکتوبر	فاطمہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع دیئوال، جوہرآباد	-	روزنامہ نئی بات
14اکتوبر	عرفان	مرد	16برس	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکوگولی مارکر	چک 146 ج ب، امین پور بنگلہ	-	روزنامہ جنگ
14اکتوبر	مزمل حسین	مرد	25برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	کوٹ دلاورخان، دیپالپور	-	روزنامہ نوائے وقت
14اکتوبر	محمد عمیر	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	محلّہ چن پیر، ہڑپہ	-	روزنامہ دنیا
15اکتوبر	فرید عباسی	مرد	36برس	-	شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	پٹھان کالونی، نیوپنڈ، سکھر	-	روزنامہ کاوش
15اکتوبر	ثمینہ	خاتون	45برس	-	شادی شدہ	بجلی کا بل زیادہ آنے پر	زہرخورانی	محلّہ کوثر آباد، فیصل آباد	-	روزنامہ نوائے وقت
15اکتوبر	حمیرا	خاتون	18برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	راوی روڈ، لاہور	-	روزنامہ جنگ
15اکتوبر	کائنات	خاتون	15برس	-	غیر شادی شدہ	-	زہرخورانی	میاں روڈ، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
15اکتوبر	حق نواز	مرد	-	-	-	-	زہرخورانی	چک 283 گ ب، فیصل آباد	-	روزنامہ جنگ
15اکتوبر	-	خاتون	-	-	شادی شدہ	-	زہرخورانی	تحصیل کبل، سوات	-	روزنامہ دنیا
15اکتوبر	امین اللہ	مرد	-	-	-	-	خودکوگولی مارکر	بنوں	-	روزنامہ دنیا
15اکتوبر	روبینہ	خاتون	-	-	-	-	خودکوگولی مارکر	اے ون سٹی، کوئٹہ	-	روزنامہ دنیا
15اکتوبر	محمد صالح	مرد	-	-	-	-	پھندا لے کر	گاؤں بہادر گلوئی، پنگریو	-	روزنامہ دنیا
16اکتوبر	عبدالستار میر بحر	مرد	22برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ کریم ڈنو گھوٹو، گھوٹکی	-	روزنامہ کاوش
17اکتوبر	فیاض لورٹر	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	ماہی مکول قمبر، سندھ	-	روزنامہ کاوش

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
18اکتوبر	نادیہ سولنگی	خاتون	22برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خودکو گولی مارکر	فیض گنج، خیرپور میرس، سندھ	-	روزنامہ کاوش
18اکتوبر	زوجہ ضمیر احمد	خاتو	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	جیکب آباد، سندھ	-	روزنامہ کاوش
18اکتوبر	ریاض حسین	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ سعید خشک، نوشہرو فیروز	-	روزنامہ کاوش
19اکتوبر	محمد عامر منشوری	مرد	16برس	-	غیرشادی شدہ	-	دریا میں کود کر	سکھر بیراج، سندھ	-	روزنامہ کاوش
20اکتوبر	محمد شمشاد	مرد	28برس	-	غیرشادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	تھانہ بستی ملوک، ملتان	-	روزنامہ نئی بات
20اکتوبر	رب نواز خان	مرد	-	-	-	-	ٹرین تلے آ کر	فیروزوالا	-	روزنامہ نوائے وقت
20اکتوبر	محمد شیر	مرد	45برس	-	-	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	خودکو گولی مارکر	میانوالی	-	روزنامہ نوائے وقت
20اکتوبر	بشارت مسیح	مرد	-	-	-	-	پھندا لے کر	چک 424ج ب، گوجرہ	-	روزنامہ نوائے وقت
20اکتوبر	عرفان	مرد	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	محلہ گرڈ روڈ، نارنگ منڈی	-	روزنامہ نوائے وقت
20اکتوبر	اویس	مرد	18برس	-	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہرخورانی	سانده، لاہور	-	روزنامہ جنگ
21اکتوبر	نوراں بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	محلہ عالم پورہ، جلالپور بھٹیاں	-	روزنامہ جنگ
21اکتوبر	شاہ محمد	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	گاؤں 52ای بی، احمد یار	-	روزنامہ دنیا
22اکتوبر	خالدہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نصیر آباد، لاہور	-	روزنامہ دنیا
22اکتوبر	بشریٰ بی بی	خاتون	20برس	-	-	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	تھانہ کڑانہ، سرگودھا	-	روزنامہ دنیا
22اکتوبر	-	مرد	14برس	-	غیرشادی شدہ	-	پھندا لے کر	عماریار سوسائٹی، ملیر سٹی، کراچی	-	روزنامہ دنیا
22اکتوبر	رضیہ بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	حاصل پور	-	روزنامہ نوائے وقت
22اکتوبر	محبوب	مرد	35برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فتومنڈ	-	روزنامہ جنگ
22اکتوبر	گل محمد	مرد	26برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	اٹاری، لاہور	-	روزنامہ نیوز
23اکتوبر	صفدر	مرد	36برس	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	ہربنس پورہ، لاہور	-	روزنامہ نئی بات
23اکتوبر	غلام عباس	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	اوڈہ، نورپور تھل	-	روزنامہ نئی بات
23اکتوبر	نادیہ	خاتون	-	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	سوہاوہ، چکوال	-	روزنامہ دنیا
23اکتوبر	نعمان	مرد	-	بچہ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نوشہرہ	-	روزنامہ دنیا
23اکتوبر	انور علی	مرد	18برس	-	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	پھندا لے کر	گاؤں پیارو، تحصیل نارا، خیرپور	-	عبدالمنیم ابڑو

اقدام خودکشی:

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
28ستمبر	شبنم بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	شاہ پور، سرگودھا	-	روزنامہ دنیا
28ستمبر	محمد عباس	مرد	-	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سرگودھا	-	روزنامہ دنیا
28ستمبر	رفیق سولنگی	مرد	-		-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	بھرگڑی کالونی لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
28ستمبر	ظہیر احمد سوہو	مرد	-		شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	کوٹ ڈیجی، خیرپور میرس	-	روزنامہ کاوش
28ستمبر	امجد بہلیم	مرد	25برس		شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خودکو گولی مارکر	گوٹھ بہلیم، قمبر	-	روزنامہ کاوش
29ستمبر	ثناء	خاتون	19برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ربانی کالونی، فیصل آباد	-	روزنامہ نیوز
29ستمبر	ثوبیہ	خاتون	28برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 67ج ب، فیصل آباد	-	روزنامہ نیوز
29ستمبر	اقراء	خاتون	28برس	-	-	گھریلو جھگڑا	-	جھنگ بازار، فیصل آباد	-	روزنامہ نیوز

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
29 ستمبر	نبیل	مرد	20 برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ستیانہ روڈ، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نیوز
29 ستمبر	علی رضا	مرد	27 برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	علامہ اقبال ٹاؤن، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نیوز
29 ستمبر	بشارت علی	مرد	16 برس	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک 72، جڑانوالہ، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نیوز
6 اکتوبر	ک	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ڈسکہ	ـ	روزنامہ خبریں
8 اکتوبر	نبیلہ	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	قصور	ـ	روزنامہ جنگ
11 اکتوبر	ثمینہ	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رنگ محل، لاہور	ـ	روزنامہ دنیا
11 اکتوبر	اقبال	مرد	ـ	ـ	ـ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	زہرخورانی	شیراکوٹ، لاہور	ـ	روزنامہ دنیا
11 اکتوبر	بابر عثمان	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	تھانہ ایئرپورٹ، راولپنڈی	ـ	پاکستان ٹائمز
11 اکتوبر	موسیٰ	مرد	40 برس	ـ	ـ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سمن آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	ـ	خاتون	21 برس		شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ گل حسن جمالی، گڑھی خیرو	ـ	روزنامہ کاوش
12 اکتوبر	مراد علی	مرد	30 برس	ـ	ـ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	سید آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	ساجد	مرد	25 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	طارق آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	آصف	مرد	20 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	طارق آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	روبینہ بی بی	خاتون	27 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	ملکوآنہ، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	احسان الحق	مرد	22 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	چک 335 ج ب، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	رضیہ بی بی	خاتون	32 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	دلاور کالونی، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	شازیہ	خاتون	21 برس	ـ	غیر شادی شدہ	ـ	زہرخورانی	ذوالفقار کالونی، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	نازیہ پروین	خاتون	22 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	101 گ ب، جڑانوالہ، فیصل آباد	ـ	روزنامہ نئی بات
12 اکتوبر	عمرانہ	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پرانا دھلہ، گوجرانوالہ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
12 اکتوبر	ارشد	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بہاری کالونی، گوجرانوالہ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
12 اکتوبر	طاہر	مرد	ـ	ـ	غیر شادی شدہ	نئے کپڑے نہ ملنے پر	زہرخورانی	گوجرانوالہ	ـ	روزنامہ ایکسپریس
13 اکتوبر	شہباز	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	ـ	خود کو جلاکر	پریس کلب، ملتان	ـ	روزنامہ خبریں
13 اکتوبر	ن	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ڈسکہ	ـ	روزنامہ خبریں
15 اکتوبر	محسن	مرد	31 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	سرگودھا روڈ، فیصل آباد	ـ	روزنامہ جنگ
15 اکتوبر	فاروق	مرد	26 برس	ـ	ـ	ـ	زہرخورانی	فاروق آباد، فیصل آباد	ـ	روزنامہ جنگ
17 اکتوبر	حافظ ذیشان	مرد	ـ	ـ	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	ـ	محلہ میاں داکوٹ، حافظ آباد	ـ	روزنامہ نیوز
19 اکتوبر	ـ	خاتون	22 برس	ـ	ـ	ـ	ـ	یوسف آباد، فیصل آباد	ـ	ایکسپریس ٹریبون
19 اکتوبر	ـ	خاتون	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	چک 108 گ ب، فیصل آباد	ـ	ایکسپریس ٹریبون
19 اکتوبر	ـ	مرد	35 برس	ـ	ـ	ـ	ـ	چک 226 ر ب، فیصل آباد	ـ	ایکسپریس ٹریبون
19 اکتوبر	ـ	مرد	24 برس	ـ	ـ	ـ	ـ	غلام محمد آباد، فیصل آباد	ـ	ایکسپریس ٹریبون
19 اکتوبر	ـ	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	ـ	منصور آباد، فیصل آباد	ـ	ایکسپریس ٹریبون
21 اکتوبر	اسد علی سومرو	مرد	ـ		ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ٹھری میرواہ، خیرپور میرس	ـ	روزنامہ کاوش
23 اکتوبر	اللہ ڈنو ملک	مرد	40 برس		شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ ملک چودگی۔ٹھری میرواہ،	ـ	روزنامہ کاوش
23 اکتوبر	بھاگی مائی	خاتون	30 برس		شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	نہر میں کود کر	ابل واہ، پریالوہ، خیرپور میرس	ـ	روزنامہ کاحوش

انتخابی بحث مباحثہ کے موضوعات

آئی۔اے۔رحمٰن

اتوار 11 اکتوبر کو لاہور میں ہونے والے ضمنی انتخابات نے پاکستان کے انتخابی جمہوری نظام میں موجود دراڑوں کو آشکار کر دیا ہے جن کو فوری طور پر ٹھیک کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ انتخابی عمل کے دوران جو معاملات ایک بار پھر سامنے آئے ہیں، ان میں پسماندہ انتخابی ثقافت، مہنگی ترین انتخابی مہم، انتخابی بدعنوانیوں کے خلاف غیر موثر تحفظ، دائیں بازو کی اندرونی لڑائی کا ردعمل اور انتخابی اصلاحات کے لیے بڑھتی ہوئی مانگ شامل ہیں۔ ان معاملات پر برسوں سے بحث مباحثہ ہو رہا ہے لیکن اس حوالے سے تاحال کوئی بامعنی پیش رفت نہیں ہو پائی جس کی وجہ سے جمہوری کیمپ میں شدید بے چینی پیدا ہوئی ہے۔

قومی اسمبلی کے حلقہ این اے 122 کی انتخابی جنگ میں پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان تحریک انصاف دونوں جماعتوں نے سیاسیات پر بات چیت کرنے سے گریز کیا اور ان کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف بدعنوانی، بد دیانتی اور رشوت ستانی کے حوالے سے الزام تراشی تک گفتگو محدود رہی۔ اس قسم کی بچگانہ گالی گلوچ جمہوری سیاست پر لوگوں کے بھروسے کو مستحکم نہیں کر سکتی بلکہ اس سے لوگوں کو یہ جاننے کا موقع ملتا ہے کہ اقتدار کی خواہش رکھنے والے کس قسم کے لوگ ہیں۔ بدقسمتی سے کوئی ایسی فوری اثر کرنے والی دوا تاحال ایجاد نہیں ہوئی جو ملک کے سیاسی رہنماؤں کی الرجی یا خارش کو دور کر سکے۔ سول سوسائٹی اور میڈیا کی طرف سے شدید ناپسندیدگی کے ذریعے سے ہی شاید ان لوگوں کو ریوڑوں کے معقول اور سنجیدہ گلہ بانوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

تمام حوالوں سے این اے 122 کا ضمنی انتخاب غیر معمولی طور پر مہنگا معاملہ تھا اور اس نے ایک بار پھر اس معاملے کی اہمیت کو اجاگر کیا کہ عمومی اتفاق اس پر تھا کہ انتخابات پیسے کا کھیل بن کر رہ گیا ہے جس میں عام لوگوں کی بہت بھاری اکثریت حصہ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ طاقت گھٹیا امراء کے ہاتھوں ہی میں رہے گی۔ سیاسی رشوت ستانی کی ترغیب بڑھتی رہے گی اس لیے کہ انتخاب جیتنے والے اپنے انتخابی اخراجات جلد سے جلد پورے کرنے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اپنے ووٹ بیچنے کی خواہش پالنے والوں کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوتا رہے گا اور صحیح جائز سیاسی اتھارٹی ایک واہمہ ہی رہے گا۔ یہ صورتحال تب تک نہیں تبدیل ہوگی جب تک آڈٹ کے عمل کو مضبوط اور مستحکم اور مانع اقدامات کی فہرست کو طویل نہیں کیا جاتا اور سختی کے ساتھ ان پر عملدرآمد نہیں کرایا جاتا۔

انتخابی بدعنوانی سے لے کر نقلی ووٹر بن کر منظم طریقے کی دھاندلی کرنے تک کے معاملے پر ایک صدی سے زیادہ عرصے سے بحث جاری ہے۔ اس تمام تر بحث کی بنیاد اس تصور پر رکھی گئی ہے کہ سیاسی جماعتیں اور امیدوار انتخاب جیتنے کے لیے ہر ممکن طریقہ استعمال کریں گے۔ اس حوالے سے جو تدابیر بتائی گئی ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انتخابات غیر جانبدار حکومت کے تحت کروائے جائیں اور ہر انتخابی کام کو انجام دینے کے لیے عدالتی عہدیدار تعینات کیے جائیں۔ تازہ ترین نسخہ یہ ہے کہ پولنگ سٹیشنوں کے اندر فوجی تعینات کئے جائیں اور ووٹوں کی گنتی بھی فوج کی نگرانی میں کرائی جائے۔ یہ پولنگ سٹیشنوں کی حدود میں فوجی موجودگی کے لیے انتظام کرنے کا عمومی طریقہ ہے جس کا واضح مطلب ہے واقعی اہم چھلانگ مارنا تاکہ وہ انتخابی عمل کے قابو سے باہر ہو جانے والی صورتحال میں مداخلت کر سکے۔ یہ ایسی پیش رفت بھی ہے جو پولنگ سٹاف، ووٹروں اور سیاسی جماعتوں کے ذمہ دارانہ رویے کے منافی ہے اور ایسی صورتحال میں کہا جا سکے گا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے بغیر پُرامن انتخابات ممکن نہیں ہو سکتے ایسی صورتحال کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر طرف غلط قسم کے اشارے دیئے گئے ہیں۔

اگر پولنگ کے وقت فوجی وہاں قریب موجود نہیں ہیں تو پولنگ کو منصفانہ تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اردگرد کی فضا میں

دیانتدارانہ انتخابات کے لیے سب سے بڑا خطرہ وہ سرکاری ملازم ہوتے ہیں جو انتخابی عمل کروانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے لیے ان لوگوں کو کنٹرول کرنا کافی دقت طلب مسئلہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی فتنہ انگیزی کا بروقت پتہ چلانا بھی کافی مشکل کام ہوتا ہے۔ حکومت اور الیکشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے سخت نگرانی، خرابی کی صورت میں فوری مداخلت کے انتظامات کرنا اور سول سوسائٹی کی طرف سے انتخابی عمل کی مانیٹرنگ جیسے اقدامات کے ذریعے انتخابی دیانت کی سطح کو بہتر کیا جا سکتا ہے۔

سیاستدانوں کی تضحیک میں اضافہ ہو جائے گا، ان کے خلاف یہ چہ میگوئیاں شروع ہو جائیں گی۔ انتخابی معاملات میں فوج کی مداخلت کو بڑھانے کا مطالبہ بڑھتا چلا جائے گا۔ مزید برآں مسلح افواج کے ساتھ بھی یہ ناانصافی ہوگی کہ انہیں بار بار انتخابی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے کہا جائے اس لئے کہ یہ ان کے روزمرہ کے فرائض میں شامل نہیں ہے اور ایسا سوچنا بھی غلط ہوگا۔

دیانتدارانہ انتخابات کے لیے سب سے بڑا خطرہ وہ سرکاری ملازم ہوتے ہیں جو انتخابی عمل کروانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے لیے ان لوگوں کو کنٹرول کرنا کافی دقت طلب مسئلہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی فتنہ انگیزی کا بروقت پتہ چلانا بھی کافی مشکل کام ہوتا ہے۔ حکومت اور الیکشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے سخت نگرانی، خرابی کی صورت میں فوری مداخلت کے انتظامات کرنا اور سول سوسائٹی کی طرف سے انتخابی عمل کی مانیٹرنگ جیسے اقدامات کے ذریعے انتخابی دیانت کی سطح کو بہتر کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ سماجی چلن بن چکا ہے کہ معاملات کو انتخابی اصلاحات تک محدود کر کے الیکشن کمیشن آف پاکستان پر تمام تر بوجھ منتقل کر دیا جائے۔ کمیشن کو ان معاملات کے حوالے سے برا بھلا کہا جاتا ہے جو عمومی طور پر سیاسی جماعتوں اور عام لوگوں کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں۔ ایک طرفہ طور پر حلقہ بندیوں کی شکائتوں اور انتخابی فہرستوں میں خامیوں، جن میں فہرستوں سے ووٹوں کے اخراج یا ووٹوں کے اندراج کے عمل میں بے جا طرفداری شامل ہیں، کے حوالے سے الزام تراشی سیاسی جماعتوں اور امیدواروں کو قبول کرنی چاہیئے اس لیے کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ وقت پر اندراجات کو صحیح کروائیں۔

ضمنی انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کی ہیئت کذائی کی وجہ مختلف ہے۔ اس نے اپنے بارے میں موجود تصور کو اُجالے بغیر اور پنجاب میں اپنی سیاسی تجدید کی توجیہہ کے لیے کوئی مربوط حکایت تخلیق کئے بغیر دائیں بازو کے جنگجویانہ سیاسی عمل کی آگ میں چھلانگ لگا دی اور خود کو جھلسا ڈالا۔ ایک بات واضح ہے کہ لوگوں کو ویلفیئر سٹیٹ کے تصور سے پیچھے ہٹنے کا نقصان تو اٹھانا پڑے گا۔

الیکشن کمیشن آف پاکستان کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ہمیں ان کو سننا ہوگا۔ الیکشن کمیشن آف پاکستان کے ارکان ججوں پر مشتمل ہیں اور یہ مستقل ہوتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ اس طریقہ کار کو تبدیل کرنا پڑے گا۔ ہر صوبے سے ایک جج کا انتخاب کرنے کے تجربہ میں تبدیلی پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ اس طریقہ کار سے ای سی پی ایک منقسم ادارہ بن سکتا ہے۔ مزید برآں ای سی پی کو کیا کرنا چاہیے اور چیف الیکشن کمشنر کی ایگزیکٹو اتھارٹی میں کیا آتا ہے، کے درمیان ایک خط کھینچ لینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ای سی پی پر عدلیہ کے افراد کی اجارہ داری کو ختم کرنے کا مطالبہ بہت دیر سے کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ارکان میں ایک خاتون کی شمولیت کو اب زیادہ دیر تک نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ای سی پی کے ارکان، جن کا تعلق عدلیہ سے ہے، عدلیہ کی مداخلت کی شکایت کرتے ہیں تو پھر معاملے کو جلد سے جلد حل کیا جانا چاہیے۔ مزید برآں انتخابی اصلاحات پر حتمی پارلیمانی مشورہ کی مدت کا تعین کر دیا جانا چاہیئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سیاستدانوں کو مطالبے کرنا بند کر دینا چاہیئے اور انہیں اپنے ردعمل کو بہتر بنانا چاہیئے۔ انہیں سیاسی منظرنامے میں اکڑفوں سے کام لینے سے گریز کرنا ہوگا اور ان کے اندر جو گھٹیا قسم کا زار گھس کر ان کے مزاج کو برباد کر چکا ہے، ان کے اندر جاگیردارانہ بدمزاجیاں داخل کر چکا ہے، تو اسے نکال باہر کرنا ہوگا۔ صاف ستھرے انتخابات کے لیے دوسری چیزوں کے علاوہ جمہوری طور پر کام کرنے والی سیاسی جماعتیں بہت ضروری ہیں جن کو نظریاتی کارکنوں کی کھیپ تیار کرنی چاہیئے جو جمہوریت پر یقین رکھتی ہو، جو مختلف سطحوں پر اپنے کارکنوں کے ساتھ مشاورت کے منصفانہ نظام میں یقین رکھتے ہوں۔ ان تمام معاملات کو عرصہ دراز سے نظر انداز کیا جا رہا ہے اور وہ بھی جمہوریت کی قیمت پر۔ ہمیں اس صورتحال سے باہر نکلنا ہوگا تاکہ جمہوریت مضبوط و مستحکم ہو اور اس کو فروغ حاصل ہو۔ (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

پر تشدد واقعات میں تین اہلکار ہلاک

چمن 21 اکتوبر کو بلوچستان میں تشدد کے دو مختلف واقعات میں تین پولیس اہلکار ہلاک ہوگئے ہیں۔اہلکاروں کی ہلاکت کے واقعات کوئٹہ اور افغانستان سے متصل سرحدی شہر چمن میں پیش آئے۔ان میں سے دو پولیس اہلکاروں کو چمن میں نشانہ بنایا گیا۔چمن میں انتظامیہ کے ذرائع کے مطابق مقامی پولیس کے دو اہلکار بوغرہ روڈ پر معمول کی گشت پر تھے جہاں نامعلوم مسلح افراد نے ان پر حملہ کیا جس سے دونوں پولیس اہلکار ہلاک ہوگئے۔اس حملے میں ایک راہگیر زخمی بھی ہوا۔تیسرے پولیس اہلکار کی ہلاکت کا واقعہ کوئٹہ شہر میں سریاب کے علاقے میں پیش آیا۔نیو سریاب پولیس سٹیشن کے ایک اہلکار نے بتایا کہ ہلاک ہونے والا اہلکار بلوچستان کانسٹیبلری کا ہیڈ کانسٹیبل تھا۔پولیس اہلکار نے بتایا کہ نامعلوم مسلح افراد نے بلوچستان کانسٹیبلری کے ہیڈ کانسٹیبل کو غلام رسول مینگل روڈ پر نشانہ بنایا۔چمن اور کوئٹہ میں پولیس اہلکاروں کو ہلاک کرنے کا محرک معلوم نہیں ہوسکا اور نہ ہی تاحال کسی نے ان واقعات کی ذمہ داری قبول کی ہے۔بلوچستان میں حالات کی خرابی کے بعد سے پولیس اہلکار بھی ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔پولیس کے ذرائع کے مطابق بلوچستان میں سنہ 2006 سے اب تک 500 سے زائد پولیس اہلکار ہلاک ہوئے ہیں۔

(نامہ نگار)

70 فیصد قیدیوں کے کیسز زیر سماعت

کوئٹہ سینئر مشیر برائے قانون احسان احمد کھوکھر نے انکشاف کیا ہے کہ پاکستان میں 70 فیصد قیدیوں کے کیسز زیر سماعت ہیں۔جمعے کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب میں انہوں نے کہا کہ ملک کی 87 جیلوں میں 80 ہزار سے زائد قیدی موجود ہیں جن میں سے 70 فیصد کے کیسز زیر سماعت ہیں۔سپریم کورٹ کے احکامات پر کمشنر اور وفاقی محتسب کے حکام نے کوئٹہ ضلع کی جیل کا دورہ کیا جس کے دوران حکام نے قیدیوں کی شکایتیں سنیں۔انہوں نے بتایا کہ سپریم کورٹ نے جیلوں میں قیدیوں کی صورت حال بہتر بنانے کا حکم دیا ہے۔انہوں نے کہا کہ کوئٹہ اور صوبے کی دیگر جیلوں میں قیدیوں کو بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں جبکہ حکومت نے تمام جیلوں میں تعلیمی سہولیات فراہم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔انہوں نے بتایا کہ اس وقت کوئٹہ جیل میں 43 قیدی زیر تعلیم ہیں۔انہوں نے بتایا کہ حکومت اس سلسلے میں مختلف جامعات سے رابطے کررہی ہے تاکہ قیدیوں کو بہترین تعلیمی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روزنامہ ڈان)

پولیس کا ذہنی معذور شخص پر تشدد

حیدرآباد 15 ستمبر کو پولیس نے ذہنی معذور نوجوان کو وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔ایس ایس پی نے واقعے کا نوٹس لیتے ہوئے تحقیقاتی کمیٹی بنادی۔بے گناہ شہریوں پر پولیس کی جانب سے مظالم ڈھائے جانے کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ان واقعات نے 9 ماہ کے دوران پولیس کی بہتر کارکردگی پر سوالیہ نشان لگادیا ہے۔ایک پولیس تشدد کا افسوسناک واقعہ ہٹڑی تھانے میں پیش آیا جہاں پولیس نے ذہنی معذور اور بیوی کی علالت کے باعث پہلے ہی پریشان تعلقہ دیہی حیدرآباد کے گوٹھ بخشو لاشاری کے رہائشی تیس سالہ محمد علی کو تھانے میں بربریت کا نشانہ بنایا۔پولیس کے بہیمانہ تشدد کے باعث نوجوان کے جسم کے مختلف حصوں پر سوزش بھی ہے اور ذہنی دباؤ کے باعث اس وقت ہسپتال میں داخل ہے۔پولیس تشدد کا نشانہ بننے والے نوجوان کے بھائی نے بتایا کہ اس کا بھائی محمد علی ذہنی معذور اور دو بچوں کا باپ ہے۔محمد علی پریشانیوں اور بیوی کی علالت کے باعث چار روز سے سویا نہیں تھا جس کی وجہ سے وہ ذہنی دباؤ کا شکار تھا اور شام کو وہ گھر کے باہر کھڑا تھا کہ وہاں سے گزرنے والی ایک کار میں سوار بااثر شخص سے تلخ کلامی ہوئی جس کی پاداش میں ہٹڑی پولیس نے اسے گھر سے حراست میں لے کر تھانے منتقل کیا اور درخت سے باندھ کر وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنایا۔اس نے الزام عائد کیا کہ کار میں سوار آدمی پولیس کا رشتہ دار ہے اور اس کے ایماء پر پولیس نے اُس کے بھائی پر تشدد کیا۔

(نامہ نگار)

بچے

پانچ سالہ بچے کی تشدد زدہ نعش برآمد

دیامر یکم اکتوبر کو گیارہ روز پہلے لاپتا ہونے والے ایک پانچ سالہ بچے کی تشدد زدہ نعش ایک جنگل سے برآمد ہوئی۔اس کے جسم پر شدید تشدد کے نشانات واضح تھے۔ایک پولیس اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ اس کے ہاتھ کٹے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ بھی مسخ تھا۔تفصیلات کے مطابق بچہ دیامر کے علاقے بوٹ گاہ سمل کے علاقے سے گیارہ دن پہلے لاپتا ہوا تھا۔اس کے اہل خانہ اپنے بچے کا پتا لگانے کے لئے پولیس سے رابطہ کرنے کی بجائے روحانی معالجوں کے پاس چلے گئے۔انہوں نے بچے کی گمشدگی کا ذمہ دار ایک جن کو قرار دیا۔تاہم کئی دنوں کی تلاش کے باوجود بچے کا کچھ پتا نہ چل سکا۔پولیس کا دعویٰ ہے کہ وہ بچے کی گمشدگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے،اور یہ کہ بچے کے والدین نے ان سے رابطہ نہیں کیا تھا۔گلگت بلتستان کے وزیر برائے خوراک حاجی جان باز خان نے بھی 5 اکتوبر کو مقامی میڈیا کو دیے گئے ایک بیان میں دعویٰ کیا کہ انہیں یقین ہے کہ بچے کو جنات نے ہی اغوا کے بعد قتل کیا۔انہوں نے مزید کہا کہ:''جنات دو قسم کے ہوتے ہیں،مسلم اور غیر مسلم۔جن جنات نے پانچ سالہ احمد کو اغوا کیا وہ غیر مسلم تھے اسی لئے انہوں نے روحانی معالجوں کی بات نہیں مانی۔بعد میں انہوں نے احمد کو قتل کرنے کے بعد اس کی نعش قریبی جنگل میں پھینک دی۔'' یہ بات قابل غور ہے کہ نومبر 2014ء میں ایسا ہی ایک واقعہ گلگت میں بھی پیش آیا تھا جس میں ایک بچے سے جنسی زیادتی کے بعد اس کا گلا دبا کر قتل کردیا گیا تھا۔بعد ازاں اس کے قاتلوں کو خفیہ کیمروں کی مدد سے گرفتار کرلیا گیا تھا۔اس وحشت ناک واقعے کے بعد پورے علاقے میں خوف وہراس پھیل گیا ہے اور لوگوں نے واقعے کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔ڈی آئی جی دیامر نے واقعے کی تحقیقات کا حکم دیا ہے تاہم پولیس ابھی تک مجرموں کو گرفتار نہیں کرسکی۔

(شاہد اقبال)

امام بارگاہ میں خودکش بم دھماکہ، 9افراد ہلاک

بلوچستان/کچھی 22اکتوبر کو بلوچستان کے ضلع کچھی میں خودکش بم دھماکے میں کم از کم نوافراد ہلاک ہوگئے ہیں۔لیویز فورس کے ایک اہلکار نے بی بی سی کو بتایا کہ یہ دھماکہ تحصیل بھاگ کے علاقے چھلگری کی امام بارگاہ میں مغرب کی نماز کے دوران ہوا۔انہوں نے بتایا کہ خودکش حملہ آور اس وقت امام بارگاہ میں داخل ہوا جب وہاں خواتین داخل ہورہی تھیں اور اس نے خود کو اڑالیا۔اب تک حکام نے نو ہلاکتوں کی تصدیق کی ہے جبکہ دس زخمیوں کو قریبی ہسپتال منتقل کیا گیا ہے۔وزیر داخلہ بلوچستان سرفراز بگٹی نے بی بی سی کو بتایا کہ ہلاک اور زخمی ہونے والوں میں خواتین اور بچے بھی شامل ہیں۔یہ بلوچستان میں رواں ہفتے کے دوران ہونے والا دوسرا دھماکہ ہے۔اس سے قبل کوئٹہ میں مسافر بس میں دھماکے کے نتیجے میں 11افراد ہلاک ہوئے تھے۔لیویز فورس کے اہلکار نے بتایا کہ دھماکے کی تحقیقات شروع کردی گئی ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ خودکش حملہ آور کا سر مل گیا ہے جسے تحقیقاتی اداروں نے تحویل میں لے لیا ہے۔اہلکار نے ابتدائی تحقیق کے حوالے سے بتایا کہ خودکش حملہ آور نوجوان لڑکا تھا۔چھلگری کوئٹہ کے جنوب مشرق میں اندازاً تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ اس علاقے میں اس نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔اس سے قبل اسی ضلع سے متصل جھل مگسی کے علاقے گنداوہ میں 2005ء درگاہ فتح پور کے اندر عرس کے موقع بم دھماکہ ہوا تھا جس میں 40 سے زائد افراد ہلاک ہوئے تھے۔ (نامہ نگار)

محرم کے جلوس پر حملے میں 22افراد ہلاک

جیکب آباد 24اکتوبر کو جیکب آباد میں نویں محرم کے ماتمی جلوس کے موقعے پر ایک زوردار دھماکہ ہوا جس میں 22افراد ہلاک اور 40 سے زائد زخمی ہوگئے ہیں۔دھماکے کے بعد جیکب آباد اور کراچی میں احتجاج بھی کیا گیا ہے۔جیکب آباد سول ہسپتال کے اہلکار راجہ نے تصدیق کی ہے کہ ان کے پاس 22 لاشیں لائی گئی ہیں۔قبل ازیں سپرنٹینڈنٹ پولیس ظفر ملک نے صحافی علی حسن کو بتایا تھا کہ اس حملے میں 15 افراد ہلاک ہوئے ہیں، اور خدشہ ظاہر کیا کہ یہ خودکش حملہ ہوسکتا ہے۔ایدھی فاؤنڈیشن جیکب آباد کے رضا کار محمد عرس نے بی بی سی نامہ نگار ریاض سہیل کو بتایا کہ انھوں نے 22 لاشیں اٹھائی ہیں جن میں سات بچے بھی شامل تھے۔ان کے مطابق دھماکے میں 40 سے زائد افراد زخمی ہوئے ہیں جن میں سے 20 کے قریب زخمیوں کو جیکب آباد کے شہباز ایئر بیس پہنچایا گیا ہے۔سرکاری ٹیلی ویژن کی اطلاع کے مطابق اس دھماکے میں چار بچے بھی ہلاک ہوئے ہیں۔جیکب آباد کے صحافی پرویز ابڑو کا کہنا ہے کہ سول ہسپتال میں تین بچوں سمیت 15 لاشیں لائی گئی ہیں، جبکہ 30 سے زائد زخمی ہیں جن میں سے بعض کے اعضا الگ ہوگئے ہیں۔انھوں نے بتایا کہ سول ہپستال میں بستروں اور عملے کی کمی ہوگئی ہے، جس پر لوگ کافی مشتعل ہیں اسی دوان جب صوبائی وزیر ٹرانسپورٹ ممتاز جکھرانی پہنچے تو انہیں ہسپتال میں داخل ہونے نہیں دیا گیا۔پولیس اور رینجرز نے جائے وقوع کا محاصرہ کرلیا ہے، وہاں کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔کراچی میں نامہ نگار ریاض سہیل کے مطابق مجلس وحدت مسلمین نے اعلان کیا ہے۔یوم عاشور کے جلوسوں میں ملک بھر میں احتجاجی دھرنے دیئے جائیں گے۔مجلس وحدت مسلمین کے رہنما علامہ باقر زیدی کا کہنا تھا کہ شکار پور دھماکے کے بعد حکومت سندھ نے لاپرواہی کی اگر ان کے مطالبات مان لیے جاتے تو جیکب آباد میں یہ واقعہ رونما نہیں ہوتا۔وہ اس کا ذمہ دار صوبائی حکومت کو بھی سمجھتے ہیں۔ (نامہ نگار)

خواتین کے قتل کیخلاف ریلی

حیدرآباد 12اکتوبر کو ویمن ایکشن فورم نے سندھ میں کاروکاری کے نام پر خواتین کو قتل کئے جانے کے خلاف شہباز فلائی اور سے پریس کلب حیدرآباد تک ریلی نکالی جس میں قتل ہونے والی خواتین کے ورثاء بھی شریک تھے جنہوں نے بینرز اور پلے کارڈز اٹھائے ہوئے تھے جن پر کاروکاری کے خاتمے کے حوالے سے عبارات درج تھیں۔گزشتہ سال کاروکاری سمیت دیگر واقعات میں مجموعی طور پر 1883 خواتین کو قتل کردیا گیا جبکہ اس سال جنوری سے جولائی تک 113 خواتین کو کاروکاری، زیادتی سمیت دیگر واقعات میں قتل کیا گیا۔لیکن افسوس کہ حکمرانوں کی جانب سے ان واقعات کی روک تھام کے لیے موثر اقدامات کرنے کے بجائے واقعات کے بعد بیان بازی کا سلسلہ شروع ہوجاتا جو چند روز جاری رہتا ہے۔انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ کاروکاری کے خاتمے کے لیے قانون سازی کی جائے اور قتل کی گئی خواتین کے قاتلوں کو فوری طور پر گرفتار کیا جائے۔ (لالہ عبدالحلیم)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔
- ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے
- سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔پتہ:

www.hrcp-web.org

ٹارگٹ کلنگ کے خلاف احتجاج

حیدرآباد 10 ستمبر کو کراچی میں نجی ٹی وی چینل کے رپورٹر اور لاہور میں نیو نیوز کی رپورٹنگ ٹیم پر حملے کے خلاف فیڈرل یونین آف جرنلسٹ کے صدر رانا عظیم کی اپیل پر حیدرآباد یونین آف جرنلسٹ کی جانب سے پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا گیا۔جس میں اخبارات اور چینلز کے رپورٹرز، کیمرہ مین، فوٹوگرافرز نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔مظاہرین ''صحافیوں کو تحفظ دو، صحافیوں کے قاتلوں کو گرفتار کرو، آزادی صحافت پر حملہ کرنے والوں کو عبرتناک سزا دو'' کے نعرے لگا رہے تھے۔مظاہرے میں پی ایف یو جے کے رکن حمید الرحمان، ایچ یو جے کے صدر جنید خانزادہ، نائب صدر حامد شیخ، جوائنٹ سیکرٹری اشوک شرما، ناصر شیخ ایچ آر سی پی کے سینئر ممبر لالہ عبدالحلیم شیخ بھی موجود تھے۔اس موقع پر مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے پی ایف یو جے کے حمید الرحمان نے کہا کہ کراچی میں صحافیوں کو شہید کئے جانے اور لاہور میں نیو نیوز کی رپورٹنگ ٹیم پر حملہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حکومت عملاً صحافیوں کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔

(لالہ عبدالحلیم)

سیاسی جماعت کے رہنما کی ٹارگٹ کلنگ

تربت بلوچستان کے ضلع تربت میں مسلح افراد نے صوبے کی حکمران جماعت نیشنل پارٹی (این پی) کے مقامی رہنما محمد علی بلوچ کو فائرنگ کرکے ہلاک کردیا۔لیویز ذرائع کے مطابق موٹر سائیکل پر سوار دو مسلح ملزمان نے محمد علی بلوچ کو تحصیل تمپ کے علاقے بالیچا میں ان کی رہائش گاہ کے باہر نشانہ بنایا۔ملزمان فائرنگ کے بعد موقع سے فرار ہونے میں کامیاب رہے۔لیویز اہلکاروں نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر محمد علی بلوچ کی لاش کو قریبی ہسپتال منتقل کیا۔وزیراعلیٰ بلوچستان عبدالمالک بلوچ کے ترجمان جان محمد بلیدی نے واقعے کی شدید مذمت کرتے ہوئے صوبے کا امن خراب کرنے کے لیے اسے سوچی سمجھی سازش قرار دیا۔انہوں نے اپنے بیان میں کہا کہ محمد علی بلوچ ہماری جماعت کے مقامی منتظم اور اہم رکن تھے جن کی ہلاکت پر نیشنل پارٹی 3 روز سوگ منائی گی۔ان کا کہنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو محمد علی بلوچ کے قاتلوں کو گرفتار کرنے اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانے کی ہدایت کردی گئی ہے۔واقعے کی ذمہ داری اب تک کسی نے قبول نہیں کی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

متاثرین عارضی شیلٹروں میں زندگی گزارنے پر مجبور

بالاکوٹ خیبر پختونخوا کے شہر بالاکوٹ میں 10 سال پہلے زلزلے کے بعد سے ایک بڑی آبادی ایسے عارضی شیلٹروں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے جس میں دس دس فٹ کے صرف دو کمرے ہیں۔ان شیلٹرز میں پانچ سے 15 افراد پر مشتمل خاندان آباد ہیں۔بالاکوٹ میں 10 سال پہلے آٹھ اکتوبر کے زلزلے میں لگ بھگ نوے فیصد مکان تباہ ہوگئے تھے۔بالاکوٹ میں اس وقت کل مکانات کی تعداد تقریباً 40 ہزار تھی۔زلزلے سے اس شہر میں 18 ہزار افراد ہلاک ہوگئے تھے۔بالاکوٹ شہر اسی جگہ آباد ہے جہاں اس شہر کو اب نہیں ہونا چاہیے تھا۔پرانا بالاکوٹ جہاں واقع ہے وہ جگہ زلزلے کی فالٹ لائن پر ہے اور 10 سال پہلے حکومت نے یہاں سے کوئی 30 کلومیٹر دور ایک نیا بالاکوٹ شہر آباد کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔اس نئے بالاکوٹ کے منصوبے کے لیے زمین بھی خریدی گئی کام بھی کسی حد تک شروع ہوا لیکن لوگوں کو وہاں آباد نہیں کیا جا سکا۔پرانے بالاکوٹ میں زلزلے کے بعد نئے مکان بھی تعمیر ہوئے ہیں اور کاروبار زندگی بھی جاری ہے لیکن لوگوں میں سخت بے یقینی کی صورتحال پائی جاتی ہے۔بالاکوٹ شہر کے بڑے بازار میں لوگوں سے ان کا حال کیا پوچھا گیا وہ تو جیسے غبار لیے بیٹھے تھے، ایک سے بڑھ کر ایک مقرر اور ہر ایک کے پاس اپنے علاقے کے تمام اعداد و شمار موجود تھے۔طاہر خان نے بتایا کہ ان کے لیے جو نیا شہر آباد ہونا تھا اس پر کام کیا گیا اور فنڈز بھی منظور ہوئے لیکن وہ فنڈز کہاں گئے کچھ معلوم نہیں۔یہ لوگ ان ہی دو کمروں کے شیلٹرز میں رہ رہے ہیں جو بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ایک بزرگ خان زمان آگے آئے اور بولے کہ ان کے علاقے سے تعلق رکھنے والے اب خیبر پختونخوا کے گورنر ہیں، یہاں سے اراکین اسمبلی اور سینیٹ کے ممبرز ہیں لیکن ایرا کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔پانچ ہزار سے زیادہ عارضی مکان یا شیلٹرز زلزلے سے متاثرہ افراد کا مستقل ٹھکانہ بن چکے ہیں۔بیگم جان ستر سالہ بزرگ خاتون ہیں جو اپنی ایک اپاہج پوتی سمیت تین بچوں کے ساتھ اس عارضی شیلٹر میں رہتی ہیں۔بیگم جان نے کہا کہ ان کے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے انھیں کوئی پلاٹ بھی نہیں دیا گیا لوگ گھر میں آکر مدد کر دیتے ہیں ورنہ وہ خود باہر نہیں جا سکتیں۔بالاکوٹ کے اسسٹنٹ کمشنر بالاکوٹ شاہد محمود کہتے ہیں کہ اب کچھ عرصے سے بالاکوٹ شہر میں کچھ کام شروع ہوا ہے وگرنہ دس سالوں میں تو یہاں کوئی کام ہوا ہی نہیں تھا۔مقامی صحافی ڈاکٹر فرید کہتے ہیں کہ یہاں اربوں روپے کے فنڈز جاری ہوئے لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ان کا کہنا تھا کہ لگ بھگ 22 ارب روپے ایرا کو زمین اور 14 ارب روپے تعمیرات کے لیے دیے گئے لیکن کچھ کام نہیں ہوا کوئی پانچ ہزار دو سو سے زیادہ افراد کو جنھیں پلاٹ کے کاغذات جاری کرنے تھے وہ کام بھی نہیں ہو سکا۔ان کا کہنا تھا کہ یہ ضرور ہوا ہے کہ کچھ پہلے سے تیار شدہ مکان اور سکول ضرور بنے ہیں۔بالاکوٹ شہر میں زلزلے سے بچاؤ کی تعمیرات تو دور کی بات یہاں دس سالوں میں کوئی ترقیاتی کام نہیں ہو سکے۔ان کا کہنا تھا کہ اب ایسے اجلاس ہو رہے ہیں اور صوبائی حکومت اب لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے کوششیں کر رہی ہے اور انھیں یقین ہے کہ بہت جلد یہ مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن اس وقت ان کے کام رک جاتے ہیں جب لوگ عدالتوں سے رجوع کر لیتے ہیں۔نیو بالاکوٹ سٹی یا بکریال آٹھ سو کنال پر محیط علاقہ ہے۔جہاں پانچ سیکٹر قائم کیے گئے ہیں۔یہاں دو سیکٹروں میں تو کچھ ترقیاتی کام ہوئے ہیں لیکن تین سیکٹروں میں کوئی کام نہیں ہوا۔فنڈز بھی لگائے گئے اور پھر کام بند کر دیا گیا۔اس ٹاؤن میں مشینری خراب پڑی ہے اور جو کام ہوا تھا وہ بھی ضائع ہو گیا ہے۔پرانے بالاکوٹ شہر میں زلزلے سے تباہی کے آثار اب بھی نمایاں ہیں۔ان دس سالوں میں لوگوں کے لیے نہ پرانا شہر بسا اور نہ ہی نیا بالاکوٹ بن سکا۔

(بی بی سی اردو)

قبائلی رہنما دو بیٹوں سمیت قتل

فاٹا 15 اکتوبر کو جنوبی وزیرستان ایجنسی وانا میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے قبائلی رہنماء دو بیٹوں سمیت جاں بحق ہوگئے۔سب ڈویژن وانا میں 15 اکتوبر کی صبح 8 بجے کے قریب قبائلی ملک مثال خان وزیر اپنی گاڑی میں دو بیٹوں کے ہمراہ تحصیل بیرمل کے گاؤں گنگی خیل سے وانا بازار آرہے تھے، کہ وانا اعظم ورسک روڈ پر نامعلوم مسلح کار سواروں نے ان کی گاڑی پر اندھادھند فائرنگ کردی، جس کے نتیجے میں ملک مثال خان شدید زخمی جبکہ ان کے دو بیٹے واجد خان اور سید کلام موقع پر جاں بحق ہوگئے، ملک مثال خان گنگی خیل کو فوری طور پر مقامی لوگوں نے طبی مدد کے لئے ایجنسی ہیڈ کوارٹر ہسپتال وانا پہنچایا، جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسے۔ذرائع کے مطابق حملہ آور جائے وقوعہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے، پولیٹیکل انتظامیہ نے واقع کی تصدیق کردی۔علاقے میں حکومت کے حامی عسکریت پسند ملا نذیر گروپ کے طالبان کھلے عام پھر رہے ہیں، جس کی وجہ سے عام شہریوں کی جان و مال محفوظ نہیں۔اس واقعہ سے قبل بھی متعدد ٹارگٹ کلنگ جیسے واقعات رونماء ہو چکے ہیں، جس کے خلاف پولیٹیکل انتظامیہ کی کارروائیاں ایف سی آر کے تحت بے گناہ قبائلیوں کی گرفتاری اور ان پر بھاری جرمانے عائد کرنے تک محدود ہیں۔ (ارشاد احمد)

ملالہ سے ملاقات

بل گیٹس

دو ہفتے قبل نیویارک میں میری ملاقات دنیا کی سب سے زیادہ حوصلہ مند فرد ملالہ یوسف زئی سے ہوئی۔ یہ ملاقات میرے لئے کسی اعزاز سے کم نہیں تھی۔ ستمبر کے آخری عشرے کے وسط میں ملنے والے اس اعزاز کا احساس آج بھی میرے اندر تازہ ہے۔ ملالہ یوسف زئی ان انتہائی حوصلہ مند افراد میں سے ہے جن کے ساتھ مل کر انسان کا اندر خوشیوں سے بھر جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ملالہ کو جانتے ہوں گے۔ وہی نوعمر پاکستانی لڑکی جس کو طالبان نے گولیوں سے اس لئے چھلنی کر دیا تھا کہ اس کا عقیدہ تھا کہ تمام لڑکیوں کو سکول میں جانا چاہئے۔ اس سے ملنے کے بعد میں آپ کو وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ملالہ پر ہونے والے بہیمانہ حملے اور اس کی معجزاتی صحت یابی کی کہانی سے کہیں زیادہ کچھ اور بھی اس کے اندر طلسماتی ہے۔ وہ حقیقی معنوں میں متاثر کر دینے والی، سراہنے پر مجبور کر دینے والی اور فہمیدہ وکالت کرنے والی انسان ہیں۔ ان کے ساتھ غیر رسمی گفتگو کرتے ہوئے مجھے مزہ آ رہا تھا اور میری خواہش تھی کہ یہ گفتگو طویل ہوتی چلی جائے۔

باوجود اس کے کہ وہ تقریباً مر چکی تھی، درحقیقت موت کو چھُو کر واپس آئی تھی۔ وہ زندگی میں واپس آ تو چکی ہے لیکن زندگی بھر اس کو جسمانی چیلنجوں کا سامنا رہے گا۔ وہ انگلستان میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ جس نے اس کی زندگی ختم کرنے کے لیے اس پر گولیاں چلائیں، اس کو اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ اپنے اندر غصہ یا خوف کو جگہ دینے کی بجائے خوش وخرم رہتی ہے اور مزاحیہ باتیں کر کے ساتھ بیٹھنے والوں کو ہنساتی رہتی ہے۔ اس قدر عالمی شہرت ملنے کے باوجود اس کے پاؤں زمین پر ہی ٹکے ہوئے ہیں۔ وہ دنیا کی تاریخ کی کم عمر ترین فرد ہے جس نے نوبیل امن کا انعام حاصل کیا ہے لیکن اس کے باوجود غرور نام کی کوئی چیز اس کے قریب بھی نہیں پھٹکی۔ نیویارک ٹائمز کے کالم نویس نِک کرسٹوف لکھتا ہے ''شاید وہ دنیا کی ایسی کم عمر ترین لڑکی ہے جس کو ساری دنیا دیکھتی ہے''۔ عاجزی اور انکساری اس کے مزاج کا حصہ ہیں۔ اس کی انکساری اس کی شخصیت اور زیادہ اجاگر کرتی ہے۔ نِک مزید لکھتا ہے کہ اس کی شہرت کے چاند کی روشنی دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے، اس کی شہرت میں اور زیادہ اضافہ ہونا ہے۔ اکیڈمی ایوارڈ حاصل کرنے والے فلمساز ڈیوس گگن ہیم نے سال کا زیادہ تر حصہ ملالہ اور اس کے خاندان کے ساتھ سفر میں گزارا۔ اس نے حال ہی میں ملالہ پر ایک فیچر فلم جیسی دستاویزی فلم ''اس نے مجھے ملالہ کا نام دیا''۔ بنائی جس کو اس نے حال ہی میں ریلیز کیا۔ مجھ کو حال ہی میں اپنی تیرہ سالہ بیٹی فویب کے ساتھ یہ فلم دیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارے ساتھ فویب کی دوست بھی تھی۔ میرے خیال کے مطابق یہ فلم بہت شاندار تھی۔ فویب کا بھی یہی خیال تھا۔ وہ ملالہ اور اس کے مشن سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔ وہ ملالہ سے اتفاق کرتی تھی کہ تمام لڑکیوں کو یقینی طور پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی چاہئے۔ یہ بات ذہن میں رکھیئے کہ فویب پہلے ہی لڑکیوں کی تعلیم کی مہم کے ساتھ منسلک ہے۔ گزشتہ موسم گرما کے دوران فویب نے روانڈا کے ایک پرائمری سکول میں بطور

نِک مزید لکھتا ہے کہ اس کی شہرت کے چاند کی روشنی دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے، اس کی شہرت میں اور زیادہ اضافہ ہونا ہے۔ اکیڈمی ایوارڈ حاصل کرنے والے فلمساز ڈیوس گگن ہیم نے سال کا زیادہ تر حصہ ملالہ اور اس کے خاندان کے ساتھ سفر میں گزارا۔

اسسٹنٹ ٹیچر کام کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کی عمر کے زیادہ تر بچے اور بڑے بھی یہ فلم دیکھنے کے بعد یہ خدمت سرانجام دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ایک تو فلم کی کہانی ہی ایسی ہے اور پھر ڈیوس نے اس کو جس انداز سے بیان کیا ہے، وہ بچوں کو مجبور کر دے گا کہ وہ یہ بڑا کام کر دکھائیں۔ ملالہ جس طرح زندگی، آزادی اور تعلیم کے دفاع میں پوری دنیا میں گھوم رہی ہے، اس کے باعث مجھے اس پر پیار آتا ہے۔ ایک دن وہ یہاں ہوتی ہے تو دوسرے دن سینکڑوں میل دور کسی اور جگہ ہوتی ہے۔ وہ ایک عام سی نوعمر لڑکی کی طرح اپنا اور اپنے بھائیوں کا ہوم ورک کرتی ہے۔ مجھے فلم کے وہ مناظر بھی بہت ہی اچھے لگے جن میں گزرے دنوں کی کہانی سامنے آتی ہے۔

مجھے فلم کا وہ حصہ بے حد پسند آیا جس میں ملالہ کے والد ضیاء الدین کو دکھایا گیا ہے کہ وہ کس طرح اپنی بیٹی کی ہمت بڑھا رہے ہیں تا کہ وہ ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ کہنا چاہتے ہوں کہ یہ کام انہیں آج سے بہت پہلے خود کرنا چاہئے تھا۔ ملالہ نے فلم میں اور میرے ساتھ گفتگو میں واضح کر دیا تھا کہ وہ نہیں سمجھتی کہ اس کے والد نے اس کی زندگی کو مصائب کی طرف دھکیل دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ فلم والدین کے درمیان کافی اشتعال پیدا کرنے کا باعث بنے گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اخلاقیات کے حوالے سے ہی ہوگا اور ایک حوالہ یہ بھی ہوگا کہ اپنے بچوں کی تربیت کیسے کریں کہ بچے یہ پہچان کر سکیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ فلم بین یہ فلم دیکھنے کے بعد جب تھیٹر سے باہر نکلیں گے تو وہ دکھ اور غم کی بجائے امید کا احساس لے کر گھروں کو جائیں گے ملالہ کی طرح۔ اور وہ فویب کی طرح سوال کریں گے کہ ''میں آپ کی مدد کیسے کر سکتا/سکتی ہوں''؟ (اس سوال کے بہتر جواب کے لیے آپ کو ''اب آپ کی باری ہے کہ آپ ملالہ کے ساتھ کھڑے ہوں'' کا مطالعہ کریں)۔

بہت سے فلمی ناقدین نے اس فلم کے بارے میں مناسب تنقیدی جائزے تحریر کئے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ تجزیہ نگار محسوس کرتے ہیں کہ ڈیوس اس موضوع کے ساتھ بہت زیادہ جڑا ہوا ہے اور جارحانہ تنقید کرنے والے صحافی کی بجائے میں ان کی قدر کرتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ اس نے وہ کر دکھایا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ کہانی کو اس انداز سے جیسی کہ وہ ہے، بیان کر دینا کوئی کارنامہ نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کے اختتام کے بارے میں ہم سب پہلے سے جانتے ہیں۔ وہ ہمیں گردن سے پکڑتا ہے اور ہمیں اکساتا ہے کہ ہم کچھ کریں۔ ذاتی طور پر میں دیکھوں گا کہ ہماری فاؤنڈیشن ملالہ کی مدد کس طرح کر سکتی ہے، اس کی آواز کو کس طرح انتہائی موثر بنا سکتی ہے تا کہ دنیا اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

☆☆☆

تعلیم

اساتذہ کے مسائل حل کئے جائیں

حیدرآباد گورنمنٹ سکینڈری ٹیچرز ایسوسی ایشن حیدرآباد سٹی کے عہدیداروں محمود احمد چوہان، مبارک علی عباسی، عبدالقیوم شیخ ودیگر نے حکومت سندھ اور ڈائریکٹر اسکولز حیدرآباد سے مطالبہ کیا ہے کہ اساتذہ کے مسائل فوری طور پر حل کئے جائیں جن میں ڈویژن کی سطح پر تمام اساتذہ کی سنیارٹی لسٹ کا اجراء اور پروموشن ٹائم اسکیل کی ڈی پی سی، ٹائم اسکیل، ٹیچنگ الاؤنس ودیگر مد کے زیرالتوا بلز کی ادائیگی اور اضافی انکریمنٹ کی بحالی شامل ہے۔ اساتذہ کے جائز مسائل حل نہ ہونے کی وجہ سے اساتذہ برادری میں بے چینی ومایوسی پائی جاتی ہے لہذا حکومت سندھ اور ڈائریکٹر اسکول فوری طور پر یہ مسائل حل کریں۔ (لالہ عبدالحلیم)

طلبہ کے لیے مختص کوٹہ اور سکالرشپ کی رقم بڑھائی جائے

بنوں سٹوڈنٹس فیڈریشن شمالی وزیرستان کے طلباء نے یونیورسٹی اور کالجوں میں شمالی وزیرستان کے طلباء کے لئے کوٹہ مختص کرنے سکالرشپ کی رقم بڑھانے اور بنوں میں پڑھائی کے لئے الگ عمارت فراہم کرنے کا مطالبہ کردیا۔ بنوں پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انصاف سٹوڈنٹس شمالی وزیرستان کے صدر عطاء الرحمان جنزل سیکرٹری عدیل داوڑ، سینئر نائب صدر اشتیاق احمد، نائب صدر ظفر داوڑ اور سینئر راہنما کوثر داوڑ نے کہا ہے کہ شمالی وزیرستان میں ضرب عضب آپریشن کی وجہ سے جہاں دس لاکھ لوگ متاثر ہوئے ہیں وہاں طلباء کو کافی نقصان پہنچا ہے اوران کا مستقبل شدید خطرے میں ہے۔ نہ توان کومکمل تعلیمی سہولیات دستیاب ہیں اور نہ ان کے وسائل اتنے ہیں کہ وہ اپنے تعلیمی سلسلے کواسی طرح جاری رکھ سکیں جس طرح انہوں نے اپنے علاقے میں جاری رکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان کے لئے جوکوٹہ رکھا گیا ہے اسے بڑھایا جائے۔ انہوں نے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ ان تمام مسائل کا صرف ایک ہی حل ہے کہ ہمیں باعزت طور پر وزیرستان جلد سے جلد واپس بھیج دیا جائے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ طلباء کے حقوق پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا اوران کے حقوق کے لئے آخری دم تک جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔ (نامہ نگار)

تباہ ہونے والے سکولوں کی تعمیر کا مطالبہ

اورکزئی ایجنسی اپراورکزئی ایجنسی کی تحصیل اسماعیل زئی کے علاقہ دڑادڑ ماموزئی میں 8 سال پہلے شدت پسندوں کے ہاتھوں تباہ شدہ سرکاری سکولوں کی تعمیر ومرمت ابھی تک ممکن نہیں ہوسکی جس کے باعث سینکڑوں بچوں کا مستقبل خطرے سے دوچار ہے۔ اپراورکزئی ایجنسی تحصیل اسماعیل زئی کے علاقہ دڑادڑ ماموزئی میں اورکزئی ایجنسی میں عسکریت پسندوں کے لہر کے دوران عسکریت پسندی نے ایک گورنمنٹ ہائی سکول اور چار گورنمنٹ پرائمری سکولوں کی عمارتوں کے دروازوں، چھتوں اور سامان کوجلا ڈالا تھا۔ 8 سال گزرنے کے باوجود ان سکولوں کی عمارتوں کی تعمیر ممکن نہیں ہوسکی، اس حوالے سے گزشتہ روز ایف ڈی ایم اے کے اہلکاروں، ایکسئین سی اینڈ ڈبلیو اورکزئی ایجنسی، اور محکمہ ایجوکیشن اورکزئی ایجنسی کے افسران نے پولیٹیکل تحصیلدار خائستہ اکبر کی نگرانی میں مذکورہ علاقے کا دورہ کیا اور سکولوں کی تباہ شدہ عمارتوں کا جائزہ لیا اور کہا کہ بہت جلد ان کی تعمیر ومرمت کی جائی گی واضح رہے کہ مذکورہ علاقہ اس وقت سکیورٹی فورسز کے زیر کنٹرول ہے۔ مذکورہ علاقے میں ابھی تک آئی ڈی پیز کی واپسی شروع نہیں ہوسکی۔ اس حوالے سے قوم دڑادڑ ماموزئی نے مطالبہ کیا ہے کہ واپسی سے قبل ہمارے علاقے میں صحت وتعلیم کے تباہ شدہ اداروں کو بحال کیا جائے اوران کے تعمیر ومرمت کو یقینی بنایا جائے۔

(نامہ نگار)

13 سالہ طالبعلم کو اجتماعی ذمہ داری کے تحت گرفتار کرلیا گیا

کرم ایجنسی اپرکرم ایجنسی کے علاقے پیواڑ سے تعلق رکھنے والے اور پیواڑ چلڈرن اکیڈیمی کے پرنسپل سرور حسین نے بتایا کہ ان کے سکول کے ایک 13 سالہ طالب علم قمر عباس جوکہ ساتویں جماعت میں پڑھتے ہیں ان کو اجتماعی حدود ذمہ داری کے تحت 23 ستمبر کو گرفتار کیا گیا ہے اور اب وہ پاراچنار کی جیل میں قید ہیں۔ ان کو پاراچنار سے عید کیلئے گھریلو سامان لاتے حراست میں لیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کی رہائی کے لئے دودرخواستیں بھی جمع کرائی لیکن ان کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ اوراب وہ ان کے رہائی کے لئے سکول کے بچوں سمیت احتجاج کرنے کی تیاری کررہے ہیں۔ جبکہ ایک اور متاثرہ شخص کے بیٹے مختار حسین نے بتایا کہ ان کے ایک چچازاد بھائی جو بیرون ملک مزدوری کرتے ہیں اور ایک ماہ کی چھٹیوں پر گھر آئے تھے نے جرگہ کے دوران جس میں عمائدین اور حکام بھی موجود تھے ان گرفتاریوں کے خلاف سخت احتجاج کیا اور اس کے اگلے روز بیرون ملک چلے گئے جوکہ پہلے ہی سے طے تھا ان کو اس تلخ کلامی کی وجہ سے ان کا نام مشکوک افراد کی فہرست میں شامل کیا گیا اوران کے خاندان کے چار افراد گرفتار کئے گئے ہیں جن میں ان کے 70 سال سے زائد معمر والد منظر علی، 60 سالہ سردار حسین اور تلخ کلامی کرنے والے کے دو بھائی 18 سالہ امسد علی اور 23 سالہ ارشاد حسین شامل تھے۔ سردار حسین کو بعدازاں پے رول پر رہا کردیا گیا جبکہ امسد علی کو پل بنانے والے ٹھیکیدار جن کے پاس وہ مزدوری کیا کرتے تھے ان کے مطالبے پر رہا کیا گیا۔ جبکہ ان کے والد منظر علی اور ارشاد حسین تاحال قیدی ہیں۔ ان کہا کہنا تھا کہ ان کے والد شوگر کے مریض ہیں اور معمری کی وجہ سے ان کے ایک پیر میں مستقل درد رہتا ہے اور وہ جیل میں شدید مشکلات سے دوچار ہیں۔ اس سلسلے میں علاقہ پیواڑ سے تعلق رکھنے والے قبائلی عمائدین جن میں ملک نوروز ،سلطان حسین، صوبیدار ناصر، صوبیدار محبوب، اصغر حاجی، اکبر حسین، اور سجاد نے بتایا کہ انھوں نے اجتماعی حدود ذمہ داری کے تحت 10 افراد کو حکام کے تحویل میں دیے گئے ہیں جن کے اخراجات قبیلہ کی سطح ادا کیے جاتے ہیں ہر قیدی کو ماہانہ پندرہ ہزار تنخواہ ادا کی جاتی ہے اور کھانے پینے کے اخراجات بھی قبیلے کی سطح پر پورے کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ علاقہ پیواڑ میں ایسے بھی گھرانے ہیں جن کے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں وہ بھی ہر ماہ 500 روپے ادا کرنے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ معاہدہ کوہاٹ اور معاہدہ مری کے تحت قبیلے کے ملزمان کی نشاندہی کرنے کے بعد ان کے ذمہ داریاں ختم ہوجاتی ہے جبکہ اب ملزمان کی نشاندہی کردی گئی ہے لیکن قیدیوں کو رہا نہیں کیا گیا جوکہ سراسر ناانصافی ہے۔ چونکہ قبائلی علاقوں 1901ء کا پرانا نظام ایف سی آر اور قبائلی رسم رواج نافذ ہے جس میں جدید طرز پر تحقیقات اور چھان بین کے بجائے پرانے اور متروک طریقوں سے معاملات حل کئے جاتے ہیں اور اس میں اکثر بے گناہوں کو سزا مل جاتی ہے۔ اس واقعہ میں متاثرین کے حق تعلیم، حق روزگار، صحت کا حق، حق زندگی اور اظہار رائے کی آزادی کا حق متاثر ہوا ہے۔

(نامہ نگار)

''سزائے موت کے خلاف عالمی دن''

10 اکتوبر 2015: ایچ آر سی پی نے سزائے موت کے خلاف عالمی دن کے موقع پر ملک کے مختلف حصوں میں ریلیوں کا اہتمام کیا

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط

برطرفیوں اور تبادلوں کے خلاف نادرا ملازمین کا بچوں سمیت احتجاج

حیدرآباد 13 ستمبر کو آل پاکستان نادرا ایمپلائز یونین حیدرآباد نے ملازمین کی برطرفیوں اور تبادلوں کے خلاف حیدرآباد پریس کلب کے سامنے احتجاج کیا جس میں ملازمین سمیت برطرف ملازمین کے بچوں نے بھی شرکت کی جو بینرز اور پلے کارڈز اٹھائے ملازمین کی بحالی کے لیے نعرے لگا رہے تھے۔ احتجاج میں شریک ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے سینئر ممبر لالہ عبدالحلیم شیخ، سلطان محمود اور دیگر نے کہا کہ ملکی آئین ہر شہری کو آزادی اظہار، تنظیم سازی اور اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کا حق دیتا ہے لیکن اس کے باوجود بیشتر وفاقی ادارے اپنے ملازمین کو ان کے حقوق دینے کو تیار نہیں ہیں اور اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے اور اظہار رائے پر عملاً قدغن لگا دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نادرا چیئرمین نے جائز حق مانگنے پر ملازمین کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے کہا کہ انتظامیہ ایک جانب ایمپلائز یونین کے مرکزی رہنما، لالہ سلیم، گوہر ایوب مروت اور رضا خان سواتی سمیت دیگر کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا جبکہ دوسری جانب کئی ملازمین کا دور دراز علاقوں میں جبری تبادلہ کر کے انہیں بلا جواز پریشان کیا جا رہا ہے جس کی وہ مذمت کرتے ہیں۔ (لالہ عبدالحلیم)

لیڈی ہیلتھ ورکرز کے مسائل حل کیے جائیں

حیدرآباد آل پاکستان لیڈی ہیلتھ ورکرز ایمپلائز ایسوسی ایشن سندھ کے صدر خیر النساء میمن نے قومی پروگرام برائے خاندانی منصوبہ بندی و بنیادی صحت میں کرپشن کرنے والے محکمہ صحت کے افسران کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر لیڈی ہیلتھ ورکرز کے مسائل فوری طور پر حل نہیں کیے گئے تو پھر احتجاجی تحریک چلائی جائے گی۔ ایسوسی ایشن کی جنرل سیکرٹری شہناز انجہانی و دیگر کے ہمراہ پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ سندھ میں لیڈی ہیلتھ ورکرز کو مستقل کرنے کے آرڈر کرنے کے لیے لیڈی ہیلتھ ورکرز سے رشوت لی جا رہی ہے جبکہ دوسری طرف جن لیڈی ہیلتھ ورکرز کو مستقل کیا گیا ہے، ان کے لیٹر میں جان بوجھ کر غلطیاں کی گئی ہیں، جس کی وجہ سے ان کے لیے ملازمت کی مدت پوری کرنے کے بعد ریٹائرمنٹ پر پنشن حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ملازمت منتقلی کے لیٹر میں ہونے والی غلطیوں کو درست کر کے لیڈی ہیلتھ ورکرز سمیت قومی پروگرام میں کام کرنے والے دیگر ملازمین کے مسائل کے حل کے حوالے سے متعلقہ حکام کی جانب سے سمری تیار کی گئی ہے لیکن اس کی تیاری میں لیڈی ہیلتھ ورکرز کے نمائندے کو شامل نہیں کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس پر ہمارے خدشات برقرار ہیں، انہوں نے مطالبہ کیا کہ انتقال کر جانے والے ملازمین کے ساتھ ساتھ دوران ڈیوٹی انتقال یا دہشت گردی کا نشانہ بننے والی لیڈی ہیلتھ ورکرز سمیت دیگر ملازمین کے ورثاء کو حکومتی گرانٹ سمیت پینشن کا حق دیا جائے اور سمری کی تیاری میں یونین کے نمائندوں کو شامل کیا جائے، چار ماہ سے بند تنخواہیں فوری طور پر جاری کی جائیں اور قومی پروگرام میں کرپشن کرنے والے افسران کے خلاف کارروائی کی جائے۔ (لالہ عبدالحلیم)

نکاسی آب کے ملازمین کا حفاظتی آلات کی فراہمی کا مطالبہ

ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب حکومت کی جانب سے حفاظتی سامان مہیا نہ کیے جانے کے باعث سیور مینوں کی زندگیاں داؤ پر لگ گئیں۔ سیوریج لائنوں کی صفائی پر مامور عملے کو گیس ماسک، سلنڈر، لانگ بوٹ، لائف جیکٹ، بیلٹ اور دوسرا حفاظتی سامان فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے لیکن ٹوبہ ٹیک سنگھ میں سیوریج سسٹم کی دیکھ بھال اور مین ہولز کی صفائی پر مامور 15 سیور مینوں کو کسی قسم کا حفاظتی سامان فراہم نہیں کیا گیا اور وہ جدید دور میں بھی محض ڈنڈوں سے لیس ہو کر مین ہولز کی صفائی کا کام کرنے پر مجبور ہیں۔ حفاظتی سامان نہ ملنے کے باعث سیور مین نہ صرف لاتعداد طبی مسائل کا شکار ہیں بلکہ ان کے بے ہوش ہونے کے واقعات بھی آئے روز رونما ہوتے رہتے ہیں۔ سیور مینوں نے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں حفاظتی سامان کی فوری فراہمی یقینی بنائی جائے۔ اس سلسلے میں ٹی ایم او اظہر نبی دیوان سے رابطہ کیا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ حفاظتی سامان خریدنے کی خاطر دو ماہ قبل حکومت پنجاب کو 25 لاکھ روپے جمع کرائے گئے تھے لیکن سامان تا حال نہیں مل سکا۔ (اعجاز اقبال)

تنخواہوں کی عدم ادائیگی کے خلاف احتجاج

بنوں ڈسٹرکٹ کونسل ملازمین نے تنخواہوں کی عدم ادائیگی کے خلاف سڑکوں پر آنے اور میونسپل سروسز بند کرنے کی دھمکی دے دی۔ ڈسٹرکٹ کونسل ملازمین کا ایک احتجاجی اجلاس زیر صدارت غلام دیاز سکندری بمقام میونسپل لائبریری منعقد ہوا۔ اجلاس میں ملازمین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے غلام دیاز سکندری، ظاہر شاہ، اللہ نواز، حاجی گل ریاض، عباس خان اور قیوم خان نے کہا کہ ڈسٹرکٹ کونسل ملازمین پہلے ہی ایڈجسٹمنٹ کے سنگین مسئلے سے دوچار ہیں دوسری طرف ملازمین کو گذشتہ دو ماہ سے تنخواہوں کی ادائیگی نہیں نہیں کی جا رہی جس کی وجہ سے ملازمین کو شدید مالی مسائل کا سامنا ہے۔ مقررین نے کہا کہ ملازمین کے ساتھ ٹی ایم او تحصیل ڈومیل کا رویہ غیر منصفانہ ہے جسکی وہ پُرزور مذمت کرتے ہیں۔

(نامہ نگار)

جھیلوں پر قبضے کے خلاف ماہی گیروں کی ریلی

حیدرآباد 11 اکتوبر کو پاکستان فشر فوک فورم نے خوراک کے عالمی دن کے حوالے سے اولڈ کیمپس سے پریس کلب تک ریلی نکالی جس میں فورم کے رہنماؤں اور کارکنوں کے علاوہ سول سوسائٹی کے نمائندوں اور مرد وخواتین، ماہی گیروں وہاری بڑی تعداد میں شریک تھی جو بینرز اور پلے کارڈز اٹھائے ہوئے تھے جن پر خوراک، جھیلوں اور قدرتی وسائل پر بااثر افراد کے قبضہ کے حوالے سے عبارات درج تھیں۔ فورم کے مرکزی چیئرمین محمد علی شاہ، پنہل ساریو، ڈاکٹر اشوتھاما و دیگر نے کہا کہ پوری دنیا میں تقریباً ایک ارب افراد بھوک و بدحالی کا شکار ہیں اور اتنے ہی افراد کو یہ نہیں معلوم کہ انہیں خوراک ملے گی بھی یا نہیں۔ پوری دنیا میں خوراک کی کمی میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے، اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے مختلف ممالک میں پالیساں مرتب کر کے اس پر عملدرآمد شروع کر دیا گیا ہے۔ لیکن پاکستان میں اس حوالے سے کوئی پالیسی موجود نہیں۔ اگر حکومت نے اقدامات نہیں کیے تو مستقبل میں خطرناک صورتحال پیدا ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سندھ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے لیکن یہاں کے لوگ بھوک افلاس میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ قدرتی جھیلوں پر بااثر افراد کا قبضہ ہے جس کی وجہ سے ماہی گیری کا شعبہ متاثر ہو تا رہا ہے۔

(نامہ نگار)

One clause which defies the basic principles of justice is that of collective responsibility. It provides that the family or members of the tribe of a suspect can also be punished for the criminal acts carried out by the suspect. In August 2011, then President Asif Ali Zardari signed amendments to the FCR which included provisions that stated that women, children and the elderly could not be arrested under the collective responsibility clause of the FCR. On the other hand, in 2011 the government introduced an even more repressive law called Actions (in Aid of Civil Power) Regulation which extended to both FATA and the Provincially Administered Tribal Areas (PATA) and gave wide-ranging powers to the security forces to detain any suspect and keep him outside the protection of law.

Such laws continue to have serious consequences for the population of FATA. In HRCP's monitoring of particularly volatile districts of Pakistan, the following cases have been reported in which FCR's clause on collective responsibility was invoked to arrest and detain people or the rights of suspects were otherwise curtailed.

On January 24 in South Waziristan, security forced raided a house during a search operation. They tortured and picked up a mentally challenged man who had abused them. When his uncle tried to resist the arrest they also took him away and detained them.

An incident of arbitrary arrest and detention was reported from Kurram Agency in September 2015. A local tribesman Manzar Ali (aged 70) was arrested under the collective responsibility clause of the FCR. He was picked up by Levies personnel from near his home after a fellow tribesman was shot and killed by unidentified assailants. He was taken to a jail in Parachinar where 15 other persons were also incarcerated in the same case.

Actions under the collective responsibility clause of the FCR also at times extend to forced closure of the businesses and shops of the tribesmen to punish the tribe or the community for supposed actions of an individual or individuals from the tribe in question.

Such appropriation of guilt by association should have no place in a civilized society. The law is discriminatory not just because the residents of FATA are dealt with through it while there are completely different standards and laws for other citizens of Pakistan. The human rights protection under the law of the land is further denied to FATA inhabitants of the area being outside the jurisdiction of the superior courts.

The fundamental rights guaranteed in the Constitution are supposed to act as a check on powers of the state to prevent arbitrary and unlawful actions. However, since the Pakistan Penal Code does not extend to FATA, the state has given a free hand to unconstitutional forces and continues to enact laws contrary to human rights standards.

The region of FATA has been neglected for far too long; the 'otherization' of the area has continued for such a long time and the armed conflict has taken such a toll that state institutions have simply broken down. While once the area was governed by an administrator and local elders, the scheme of things preferred by the authorities has been upended by the killing of tribal elders and the armed conflict and forced displacement. What is needed today is the rebuilding of society by providing the basic needs of the long suffering population.

The state has a unique opportunity now, since the displaced persons from FATA are returning home after a military operation to resume their lives. It should use this opportunity to give the FATA residents a new vision by slashing laws like FCR and introducing much needed infrastructure development.

Balochistan, that might have been done by deferring the local government forums from becoming operational and in Punjab by keeping from the local bodies representatives the financial and other powers that enable this system to deliver by addressing local problems.

This latest round of polling has made it crystal clear that the costs involved in running as a candidate in the local bodies elections are substantial. This has limited the ability of common citizens to effectively contest elections. That is a cause for concern especially since local bodies elections are supposed to serve as nurseries for democracy and the cost element could deter many otherwise worthy candidates from running.

Local bodies serve as nurseries for democracy, but the costs involved in running as a candidate in the local bodies elections are limiting the ability of common citizens to effectively contest elections.

Press release

HRCP monitor murdered in targeted attack in Tank

Lahore, November 3: The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has expressed great sorrow over the killing of Zaman Mehsud, the HRCP monitor for South Waziristan, following a targeted attack in Tank on Tuesday.

In a statement, the commission said: "We announce with great sorrow and grief, the passing of Zaman Mehsud, a dedicated member of the HRCP family and our monitor from South Waziristan. He was attacked in Tank this morning by as yet unidentified assailants and received multiple bullet injuries. The local hospital did not have adequate facilities to treat him and he was moved to a hospital in Dera Ismail Khan, where he expired on the operating table.

"HRCP offers sincere condolences to the bereaved family. The Commission hopes that this latest addition to our list of martyrs to the cause of human rights will not dampen the spirit of the deceased's colleagues and will reinforce their resolve to work for the rights and dignity of all human beings with the same commitment as before.

"We call upon all authorities that have any say in this area to make every effort to catch the culprits and bring them to justice. However, we say this today out of respect for form only, because in none of the five previous fatal casualties that HRCP has suffered over the last few years have the authorities succeeded in catching the killers.

"HRCP would also like to invite the attention of civil society and the government to the possibility that Zaman Mehsud and other activists might have been rendered more vulnerable by the environment of suspicion that the state agencies have been creating with respect to civil society organisations and by attributing to them various anti-state activities.

"We urge the civil society organisations to take a serious view of the hazards to which they are exposed on account of their demonisation through the government's venomous attacks on their activities. In these difficult times, the civil society has to find ways to offer a united response and strategy for mutual survival as they strive to pursue the worthy but increasingly difficult cause of human rights in Pakistan."

– Chairperson

Return to representation at the grassroots

The last day of October represented the local government system making some sort of a comeback in all provinces of Pakistan. On that day, in 12 districts in Punjab and eight in Sindh citizens voted to elect local government representatives after a hiatus of more than a decade. They had earlier done that when Gen (r) Pervez Musharraf ruled the country. Elections in the remaining districts of the two provinces will take place in subsequent phases.

Balochistan had taken the lead in holding local government elections almost two years ago (December 2013), although political parties there voiced their concern over what they called 'unnecessary delays' in announcing the mayors, deputy mayors and chairmen of district committees in the province. The local bodies elections in Khyber Pakhtunkhwa were held in May 2015. With the polling in Lahore, Faisalabad, Gujrat, Chakwal, Bhakkar, Nankana Sahib, Kasur, Pakpattan, Okara, Lodhran, Vehari and Bahawalnagar districts of Punjab and Sukkur, Khairpur, Shikarpur, Kashmore, Ghotki, Qamber, Larkana, Shahdadkot and Jacobabad district of Sindh on October 31, definite steps have been taken towards resumption of the local government system in all four provinces.

In the latest round of polling in Sindh and Punjab, no efforts to deny women or members of religious minority communities their right to vote were reported.

With the conclusion of the first phase of elections in Punjab and Sindh, HRCPwhich observed the local bodies elections in selected districts in both provincespublicly hailed the people in Sindh and Punjab for “conducting themselves in an organised manner in the much delayed local bodies elections and in demonstrating their resolve to regain their democratic right of representation at the grassroots.”

In the latest round of polling in Sindh and Punjab, no efforts to deny women or members of religious minority communities their right to vote were reported. That was unfortunately not the case in Khyber Pakhtunkhwa, where in May very specific hurdles to women voting were reported from some parts. However, changes in the election framework in Punjab has reduced women representation given under the previous model. Local government representatives under the worker/peasant category have similar complaints.

Lack of proper arrangements for physically challenged voters has been a common complaint in all four provinces. That has been the case especially in polling stations with polling booths on the first floor. However, the polling staff have generally been credited with trying to facilitate such voters.

Varying degrees of violence has been the norm during local bodies elections and the solution to that perhaps does not lie just with the Election Commission of Pakistan or the administration.

The political parties and candidates also bear responsibility for adopting a democratic culture and step up to prevent clashes and violence and inculcate tolerance among their supporters. Voting in a smooth and violence-free manner will not be possible otherwise.

While any sniff at representation at the grassroots must be welcomed as a step forward, some of the key concerns voiced by political analysts and other experts include chipping away at the system to the point where it is not empowered enough to adequately address local demands. In

necessary equipment, expert nursing staff, rehabilitation and trauma centres, and proper medico-legal facilities. Generally, mental health of acid attack victims is not given much attention and in many cases the doctors treating their injuries are considered adequately equipped to also deal with the psychological issues that the victims face. Generally, a psychiatrist from the psychiatry department of the hospital visits the emergency ward or burn centre once a week or on request.

In order to discuss these issues and to look for strategies to fight acid crime, HRCP organised a consultation on October 17 in Islamabad. The participants discussed various concerns ranging from prevention of acid attacks, to first aid measures and effective police reporting and proposed constructive strategies to fight acid crimes in Pakistan.

Experts from various fields recommended awareness campaigns at the district and community level through radio, social media and dissemination of brochures to change social attitudes. They also suggested the inclusion of a chapter on prevention of acid attacks and first aid measures in the curriculum for schools and colleges.

Medico-legal experts recommended separate burn victim assessment forms instead of the generic ones currently being used to record the condition of victims of violence. Along with government-funded treatment for acid burn victims at BHU level, the participants stressed the need for counselling services and psychological treatment to help the victims deal with the trauma.

According to the participants from the police department, the legislation should include provisions of the anti-terrorism law when an acid attack case is registered. Others, however, emphasised efforts to raise awareness and change social attitudes rather than adding to the list of offences tried by the anti-terrorism courts. The police officials further highlighted that the National Commission on Human Rights (NCHR) has judicial powers and should play role in registration of acid attack cases and in the investigation process.

The experts highlighted that compensation and rehabilitation services were not included in the legal framework and stressed on the inclusion of compensation regimes in the Pakistan Penal Code (PPC). The legal experts emphasised the need to establish a funding and monitoring mechanism to ensure accountability of rehabilitation services to acid burn victims. They insisted that a second tier of anti-terrorism court, such as a 'heinous crimes court' should be established to hear cases of acid crime.

The participants stated that the 2011 legislation was just a small step to acknowledge acid attacks as a serious crime and believed that much more needed to be done.

They urged that the recommendations by the experts and the civil society should be incorporated in the draft bills on acid and burn crimes in Punjab and Khyber Pakhtunkhwa to bring the focus on compensating and rehabilitating victims and not just bringing the perpetrators to justice. They said that Sindh and Balochistan should also draft bills on the subject and ensure implementation of the law.

According to HRCP media monitoring from 2009 till 2014, the highest number of acid attacks in Pakistan was recorded in 2012 when a total of 77 cases were reported in the media.

The numbers recorded by organisations working specifically for acid attack survivors are, however, much higher. According to Acid Survivors Foundation figures for 2009-2013, Punjab took the lead in acid attacks in Pakistan, with 589 cases, followed by Sindh, with 29 cases. More than half of all acid crimes in Pakistan occur in South Punjab, an agricultural area referred to as the "cotton belt" and marred by low socioeconomic indicators and deep-rooted feudal mentality.

HRCP's media monitoring shows that 30% of acid assaults are perpetrated by the victim's husband or in-laws, 21% follow refusal of a marriage proposal, 8% over turning down sexual or romantic advances, 6 % are owing to old enmity and 3 % are on account of property disputes. Acid attacks can also be socially, politically or religiously motivated and may be targeted against a specific individual or random individuals merely as part of moral policing.

Although the new legislation is a promising step, experts have highlighted several shortcomings in the 2011 law, and pinned their hopes on pending legislation in at least two provinces, Punjab and Khyber Pakhtunkhwa, to address the flaws.

One way of measuring the effectiveness of the Act of 2011 is by looking at the statistics for reporting and conviction for acid attacks before and after the law was adopted. Statistics regarding reporting and conviction of acid attacks are patchy but non-governmental organisation reports state that the conviction rate rose from an average of six per cent before the 2011 amendment to 18 per cent in 2012. Their reports also show a marginal increase in the number of FIRs registered under correct provisions of law and more expeditious access to justice.

The number of acid attacks was significantly high in 2012, immediately after the Act of 2011 was adopted. This increase has been explained in various contextsas an eventual increase in responsible reporting and greater awareness as well as emergence of acid attack cases in Balochistan since 2010. It, however, remains unclear whether this rise in reported attacks reflects an overall increased prevalence of gender-based violence or improved community level awareness of reporting.

Experts have criticised the 2011 law as 'ad hoc' legislation, for not being comprehensive and for serving as a *reactionary measure to a preventable crime* as its explicit focus lies on the criminal instead of the victim. The amended law imposes a 'fine' on the perpetrator but provides no compensation for the victim. Experts have suggested that since the fine goes to the state rather than the victim, the law fails to provide any monetary support for the considerable cost of the medical, legal and rehabilitation support to an acid attack victim.

> ***"I did not receive any psychological treatment after the attack. Years later, remembering the attack still instills fear in me. But I have now left these things to God."***
>
> **An attack victim who was a teenager when acid was thrown at her**

Other issues that become a hurdle in effective implementation of the law include unwillingness of victims to report their cases, despite legislation that makes medico-legal examination and reporting of burn crimes mandatory. Victims have been known to hesitate in reporting the cases due to economic considerations, attitude of the police, fear of reprisal, and out-of-court settlement in cases where the attacker was a relative. The experts have also commented on general criminal justice issues such as lack of clarity regarding investigation procedures, lack of protocols for speedy and thorough medical examination and issuance of medical certificates by the doctor; and lack of provisions against police malfeasance.

It has been observed that the health institutions in all provinces lack proper burn care units,

Fighting acid crime needs more than a law

“This world is already so ugly. I do not want to add to its ugliness. Whoever looks at me will have a feeling of disgust and I don't want to cause bad feelings,” said Bushra (name changed to protect identity), a 35-year old acid attack survivor in Lahore, in response to an invitation to attend an HRCP consultation on ways to fight acid crime. Fifteen years after a spurned suitor threw acid on Bushra, she continues to suffer from severe disfigurement, trauma, and exclusion. She is one of the many acid attack survivors living a life in agony, constantly reminded of the incident by a society that stigmatizes disfigurement and shuns the victims of this horrid crime as pariahs.

Between 150 and 400 cases of acid attacks are reported in Pakistan every year. Eighty per cent of the victims are females and almost 70 per cent are younger than 18. Acid violence is concentrated in Asian countries, and such crimes have been reported from in particular from Bangladesh, India, Cambodia, Vietnam, Laos, China and Iran, while a few cases have been reported from some European countries and from the United States.

“Every morning I wake up wishing that a miracle would happen and I will become beautiful again.”

A 19-year old acid attack survivor

Pakistan is among the few countries that have passed specific legislation related to acid crimes. After years of advocacy and lobbying, acid violence was made a crime against the state with the adoption of Acid Control and Acid Crime Prevention Act, 2011. Following the 2011 legislation, the use of acid in violence is now a criminal, non-bailable and non-compoundable offence that is punishable with minimum 14 years to life imprisonment and a fine of one million rupees. The legislation has also outlawed the sale of acid without a license and increased the penalty for unlawful sale, from 500 rupees to 100,000 rupees and/or a year in jail for the first offense. The cases are heard by the anti-terrorism courts.

Year	2009	2010	2011	2012	2013	2014
Number of attacks	45	22	49	77	51	67
Number of victims	53	30	75	96	67	92

One clause which defies the basic principles of justice is that of collective responsibility. It provides that the family or members of the tribe of a suspect can also be punished for the criminal acts carried out by the suspect. In August 2011, then President Asif Ali Zardari signed amendments to the FCR which included provisions that stated that women, children and the elderly could not be arrested under the collective responsibility clause of the FCR. On the other hand, in 2011 the government introduced an even more repressive law called Actions (in Aid of Civil Power) Regulation which extended to both FATA and the Provincially Administered Tribal Areas (PATA) and gave wide-ranging powers to the security forces to detain any suspect and keep him outside the protection of law.

Such laws continue to have serious consequences for the population of FATA. In HRCP's monitoring of particularly volatile districts of Pakistan, the following cases have been reported in which FCR's clause on collective responsibility was invoked to arrest and detain people or the rights of suspects were otherwise curtailed.

On January 24 in South Waziristan, security forced raided a house during a search operation. They tortured and picked up a mentally challenged man who had abused them. When his uncle tried to resist the arrest they also took him away and detained them.

An incident of arbitrary arrest and detention was reported from Kurram Agency in September 2015. A local tribesman Manzar Ali (aged 70) was arrested under the collective responsibility clause of the FCR. He was picked up by Levies personnel from near his home after a fellow tribesman was shot and killed by unidentified assailants. He was taken to a jail in Parachinar where 15 other persons were also incarcerated in the same case.

Actions under the collective responsibility clause of the FCR also at times extend to forced closure of the businesses and shops of the tribesmen to punish the tribe or the community for supposed actions of an individual or individuals from the tribe in question.

Such appropriation of guilt by association should have no place in a civilized society. The law is discriminatory not just because the residents of FATA are dealt with through it while there are completely different standards and laws for other citizens of Pakistan. The human rights protection under the law of the land is further denied to FATA inhabitants of the area being outside the jurisdiction of the superior courts.

The fundamental rights guaranteed in the Constitution are supposed to act as a check on powers of the state to prevent arbitrary and unlawful actions. However, since the Pakistan Penal Code does not extend to FATA, the state has given a free hand to unconstitutional forces and continues to enact laws contrary to human rights standards.

The region of FATA has been neglected for far too long; the 'otherization' of the area has continued for such a long time and the armed conflict has taken such a toll that state institutions have simply broken down. While once the area was governed by an administrator and local elders, the scheme of things preferred by the authorities has been upended by the killing of tribal elders and the armed conflict and forced displacement. What is needed today is the rebuilding of society by providing the basic needs of the long suffering population.

The state has a unique opportunity now, since the displaced persons from FATA are returning home after a military operation to resume their lives. It should use this opportunity to give the FATA residents a new vision by slashing laws like FCR and introducing much needed infrastructure development.

FCR and human rights in FATA

Civil society, human rights organisations and many legal experts are in agreement that the Protection of Pakistan Act (2014), Actions (in Aid of Civil Power) Regulation (2011) and the 21st Amendment to the Constitution have a profound impact on fundamental rights of the accused, including denial of the due process.

The authorities have sought to justify these laws and the curbs they place on rights of accused and suspects in the context of Pakistan's fight against terrorism.

However, as far as draconian laws denying citizens' rights to due process and other fundamental rights are concerned, nothing predates the Frontier Crimes Regulations (FCR).

The FCR is a set of legal provisions that has been used to govern the region of Federally Administered Tribal Areas (FATA) since 1901. It violates a range of human rights. As a special set of laws applicable only to FATA, the FCR denies the residents of this region three basic rights; the right to appeal, the right to legal representation and the right to present reasoned evidence. This is referred to locally as 'appeal, *wakeel* (counsel) and *daleel* (argument or defence)'.

The FCR, which has its origins in the British law Murderous Outrages Regulation of 1877, was initially introduced to give the British government additional powers to reign in the rebellious Pakhtun tribes. The decision to retain it as a law in Pakistan laid the foundation for the unequal treatment of the residents of FATA, leaving them at the mercy of unelected *Jirgas* whose punishments were legalized. Those convicted by *Jirgas* lack even the right to challenge the verdict in a court of law.

Disaster management is today a science, which encompasses much more than one or two national or provincial-level institutions. In its essence, it is the creation of plans through which communities reduce vulnerability to hazards and cope with disasters.

Ten years after Pakistan's worst natural disaster in terms of fatalities and human suffering, the latest earthquake serves as a reminder to reflect on what is in place in terms of strategies and coping mechanisms to avert and respond to disasters.

In the form of NDMA and PDMAs, an institutional mechanism is in place, at least in theory, to coordinate the response and work out strategies to prevent disasters taking place or ensuring that their impact is minimised.

But numerous other areas towards which civil society as well as international experts and organisations have drawn attention of the authorities remain unattended.

The disaster management regime has made no serious effort to put in place or enforce building codes and construction standards, including seismically strengthened construction methods. It is all the more disappointing that that has not been done even with respect to the construction of schools and other public buildings.

Even early warning systems for natural phenomena such as floods, which can be predicted with considerable accuracy, are not fully in place. This aggravates the damage and suffering for the people in the nearly annual devastation caused by the floods.

Even today, Pakistan does not have an official policy or framework to deal with internal displacement. This despite the fact that in almost each of the last seven years or so the number of internally displaced persons (IDPs) in Pakistan has been higher than refugees. Pakistan has failed to heed repeated calls by human rights organisations to benefit from the UN Guiding Principles on Internal Displacement.

Devolution of powers and authority is the mantra of this age. Yet the institutional disaster management model is very much centralised at the provincial stage and there has been little effort to build capacity at the divisional, district and tehsil levels to respond to any calamity. This has serious implications, in case a disaster strikes, for cities and towns far from the provincial capitals. Far-flung areas where access is difficult at the best of times are particularly vulnerable.

It is important to scrutinize the performance of ERRA, a body primarily established for the rehabilitation of the affectees and reconstruction of houses, hospitals and schools after the 200 earthquake. It appears that many projects assigned to ERRA remain incomplete still. Despite ERRA's commitment to rebuild around 5,700 schools, reconstruction work on nearly 2,800 has still not been completed. Out of planned 306 health facilities to be rebuilt, 115 are yet to be reconstructed. Much can and should be done in terms of transparency and access to and sharing of information, especially with the local communities.

The affected or vulnerable communities still have little or no say in the decision-making process before, during or after a disaster strikes. Inclusive and informed decision making has been stressed by civil society organisations but has not found favour with the decision makers.

In various engagements with the stakeholders, and particularly in a consultation on disaster preparedness and management that Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) organised in August this year, the aforementioned and other aspects of disaster management that deserve immediate attention have been highlighted.

It has been emphasised, for instance, that in FATA the disaster management authority is not a permanent body and relies on UN agencies for funding. Since the authority in FATA is disconnected from other disaster-related projects at the secretariat level, it leads to uncoordinated relief and response efforts.

Because disasters can often be unpredictable, it is important that disaster management is done on an ad hoc basis and that it should not focus only on relief efforts based on aid and foreign funding. Also, the National Disaster Management Act, 2010, has been in place for five years and now it is vital to assess and evaluate the working of National Disaster Management Authority.

In the final analysis, the performance of the national disaster management mechanism has to be judged by the quality of response to disasters and its ability to keep the damage to the minimum by being better prepared and consulting the communities and incorporating their concerns and priorities into its decision making.

Disaster management

Did the last decade count for something?

On October 26, Pakistan was hit by a strong earthquake. Nearly 300 people were killed and hundreds injured in collapsing buildings. Thousands were left without shelter ahead of the approaching winter. Much of the damage occurred in the northern mountainous parts of the country.

Earthquakes are not uncommon in Pakistan's north, but this one struck almost exactly a decade after the 7.6 magnitude October 8, 2005 quake that had caused massive devastation in northern Pakistan. Around 80,000 people were killed and millions left homeless at the time. Even though the human and material damage caused by the October 26 tremors pales in comparisons with the 2005 calamity, it has raised questions regarding the state's capacity to cope with such upheavals and its commitment towards disaster preparedness and management.

The 2005 earthquake had led to the creation of a national and subsequently provincial disaster management authorities (NDMA and PDMAs) and Earthquake Reconstruction and Rehabilitation Authority (ERRA).

The disaster management regime has been assigned to work towards preventing natural disasters, as well as preparing to respond to such events and mitigating their impact. Since 2005, the NDMA and PDMAs have been expected to respond to not just earthquakes, but other natural disasters such as floods, as well as displacement caused by armed conflict in parts of the country.

Moratorium on death penalty demanded

HRCP offices and activists across Pakistan observed October 10, 13th World Day Against the Death Penalty, by holding demonstrations and vigils calling for suspending hanging in the country. They said that halting executions should lead to abolition of the death penalty in the country.

HRCP organised a consultation on the theme in Islamabad on October 10, where civil society activists, lawyers and federal lawmakers share their views on “the death penalty regime” in Pakistan.

They noted that once there were only two offences in Pakistan that carried the death penalty but the number had now ballooned to well over two dozen. The participants said that the world over legislation, especially regarding the death penalty, was done after a long discussion. But that had not been the case in Pakistan.

The participants noted with concern that from January to late September, as many as 236 convicts had been executed I Pakistan. They said that the executions had initially been resumed under the guise of fighting terrorism against the backdrop of the brutal attack on schoolchildren at Army Public School in Peshawar in December 2014. However, within a couple of months executions were resumed for all individuals convicted under death penalty offences.

They said that there was no credible evidence to suggest that capital punishment worked as a deterrence to serious crime, and the high numbers of executions in the world's top executing states were a proof of that.

The participants of the seminar later held a demonstration outside the National Press Club in Islamabad to demand the government impose a moratorium on executions, actively pursue reduction of death penalty offences, and that these steps should lead to abolition of the death penalty in Pakistan.

Remembering our **CEDAW** commitments

Convention on the Elimination of all forms of Discrimination against Women

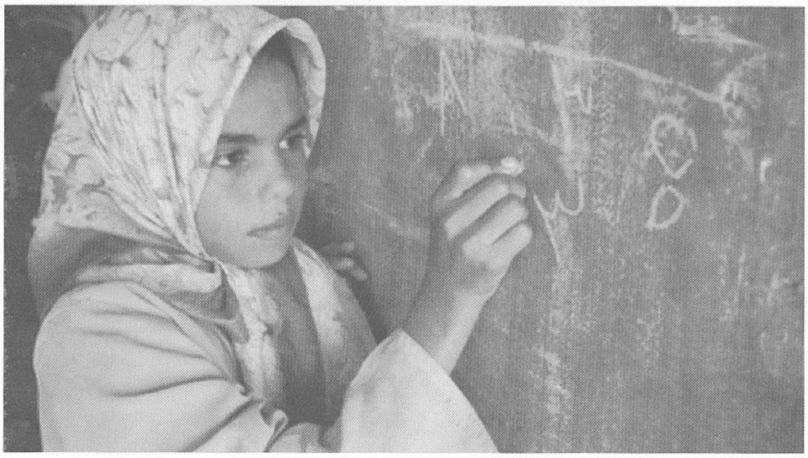

Article 10

Education

Governments must end discrimination against girls and women in education. Girls and women have a right to education, just as boys and men do. Girls and women should have access to career guidance and professional training at all levels; to studies and schools; to examinations, teaching staff, school buildings, and equipment; and opportunities to get scholarships and grants, the same as boys and men. Girls and women have the right to take part in sports and physical education, and to get specific information to ensure the health and well-being of families. Governments should make sure girls do not drop out of school. They should also help girls and women who have left school early to return and complete their education.

Article 12

Health

Governments must make sure that girls and women are not discriminated against in health care. Girls and women must get health care on the same terms as boys and men. In particular, women have the right to services related to family planning and pregnancy.

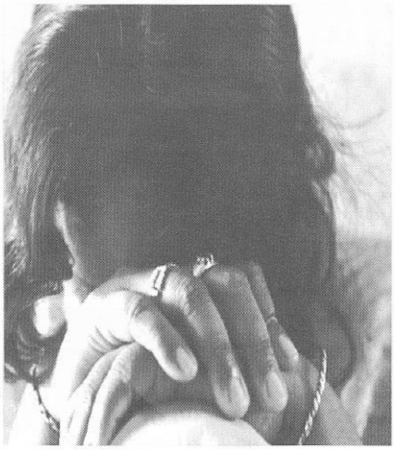

Article 11

Employment

Women have a right to work just like men. They should be able to join a profession of their choice. Women must have the same chances to find work, get equal pay, promotions and training and have access to healthy and safe working conditions. Women should not be discriminated against because they are married, pregnant, just had a child or are looking after children. Women should get the same assistance from the government for retirement, unemployment, sickness and old age.

Article 13

Economic and social life

Girls and women have the same rights as boys and men in all areas of economic and social life, like getting family benefits, getting bank loans and taking part in sports and cultural life.

Article 14

Rural girls and women

Governments must do something about the problems of girls and women who live in rural areas and help them look after and contribute to their families and communities. Girls and women in rural areas must be supported to take part in and benefit from rural development, health care, loans, education and proper living conditions, just like boys and men do. Rural girls and women have a right to set up their own groups and associations.

Article 15

Law

Girls and women and boys and men are equal before the law, including laws about freedom to go where they choose, choosing where to live, signing contracts and buying and selling properties. Women have the same 'legal capacity' as men.

Article 16

Marriage and family life

Women have the same rights as men to choose whom they marry, the number of children they want to have and to care for them when they are born. Women also have the equal right to the property that they get with their husband while they are married. To end child marriage, governments must set a lowest age for marriage and make sure this is followed.
All marriages must be registered (officially recorded

Human Rights Commission of Pakistan

جہد حق Monthly JEHD-E-HAQ

Monthly JEHD-E-HAQ - November 2015 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 22......شمارہ نمبر 11 ......نومبر2015..... قیمت 5روپے

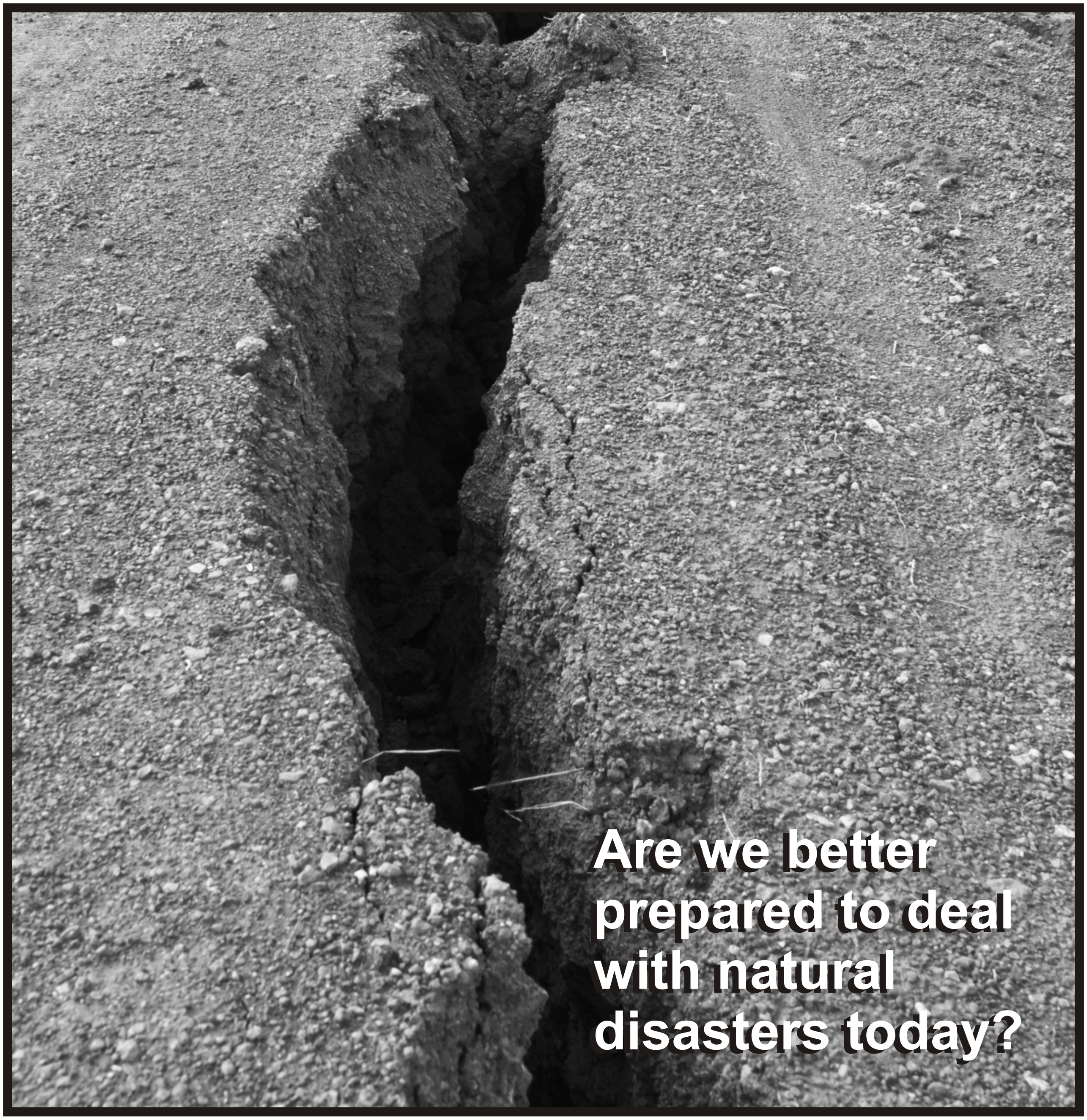

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582

ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org

پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15